نام کتاب: تصوف کی حقیقت

مؤلف: انجنیئر علاؤالدین

(لیکچرر، ڈیپارٹمنٹ آف کمپیوٹر سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، یونیورسٹی آف انجنیئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور)

اشاعتِ اوّل: (اکتوبر 2015 بمطابق محرم الحرام ۱۴۳۷ ہجری)

اشاعتِ دوم: (ستمبر 2019 بمطابق محرم الحرام ۱۴۴۱ ہجری)

ملنے کا پتہ:

(1) خانقاہِ فریدیہ اخون بابا، رُستم، ضلع مردان

(2) محلہ کس، گاؤں پابینی، ضلع صوابی

(3) مکان نمبر 185، گلی نمبر 6، سیکٹر ایف تھری وَن، فیز 6 حیات آباد، پشاور

برائے رابطہ:

03159145806 03339063346

فہرست مضامین

باب اول: تصوف کے متعلق چند بنیادی سوالات اور اُن کے جوابات

باب دوم: تصوف کا معاشرے کی اِصلاح میں کردار

باب سوم: صوفیائے کرام کا نفاذِ دین کی جدوجہد اور جہاد میں کردار

رسالہ میں استعمال ہونے والے چند اہم الفاظ اور اُن کے معنی

رسالہ میں استعمال ہونے والے بعض الفاظ کچھ قارئین کے لئے نئے اور نامانوس ہوسکتے ہیں اس لئے یہاں اُن کا مختصر مفہوم درج کیا جارہا ہے:

بَیعَت

یہ ایک سُنَّت عمل ہے۔بَیعَت "عَہد وپیمان" کو کہا جاتا ہے۔یہ پیر اور اس کے شاگرد(مُرید) کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے، پیر(مُرشد) یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا سکھائے گا،اور مرید یہ وعدہ کرتا ہے کہ پیر جو بتلائے گا اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے گا۔

پیر / شیخ / مُرشد

ایسا نیک شخص جو خود بھی دین پر مکمل عمل کرتا ہو اور دوسرے لوگوں کی اصلاح کرنے کے لئے بھی باقاعدہ اجازت یافتہ ہو اور لوگ اُس کے ہاتھ پر اپنی اصلاح کے لئے بَیعَت کرتے ہوں۔

مُرید

ایسا شخص، جو کسی شیخ و مُرشد کے ہاتھ پر بیعَت کرتا ہے اور اپنی دینی اصلاح کے سلسلے میں اُس سے رہنمائی لیتا ہے۔

خَلِیفہ

ایسے مُرید کو کہتے ہیں جس کو اُس کے مُرشد نے دوسرے لوگوں کو بَیعَت اور اصلاح کرانے کی اجازت دے دی ہو۔

قلب (دِل)

شریعت میں "قلب (دِل)" اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو سوچنے اور سمجھنے کی قوت اور صلاحیت رکھتا ہے۔ ہمارے جسم میں موجود گوشت کا وہ ٹکڑا جو سارے بدن کو خون پہنچانے کا انتظام کرتا ہے، شریعت کے مطابق اصلی "قلب" نہیں ہے، کیونکہ اس ظاہری ٹکڑے میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ چنانچہ تصوف میں بھی "قلب (دِل)" کی اِصلاح سے اُس "حقیقی قلب" کی اِصلاح مُراد ہے جو ایک قوت ہے ، اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ظاہری دل (گوشت کے ٹکڑے) سے بھی ایک تعلق قائم رکھے ہوئے ہے۔

نَفس

یہ انسان کے اندر ایک قوت ہے جس سے وہ کسی چیز کی خواہش کرتا ہے، خواہ وہ خواہش خیر کی ہو یا شَر کی۔

باطِن

قلب (دِل)، نَفس، روح اور عقل کو "انسان کا باطِن" کہتے ہیں۔

شریعت

دینِ اسلام کے تمام احکامات و قوانین کے مجموعے کو "شریعت" کہتے ہیں۔

مُراقبہ

کسی خاص سوچ، فِکر یا مضمون کا دھیان کر کے رحمتِ الٰہی کے انتظار میں بیٹھنے کو مُراقبہ کہتے ہیں۔

مُدَّظِلُّہٗ

یہ ایک دُعا ہے۔ جس بزرگ یا عالم کے نام کے ساتھ یہ الفاظ لکھے گئے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یا اللہ اس شخصیت کا سایہ دیر تک ہمارے سَر پر قائم رکھیں۔

"مُدَّ" کا مطلب ہے "لمبا" یا" دَراز ہونا" اور "ظِلُّ" کا مطلب ہے "سایہ"۔

دَامَت بَرکاتُہُم

یہ بھی ایک دعا ہے، اس کا مطلب ہے "یا اللہ اس شخصیت کی برکات ہمارے لئے ہمیشہ باقی رکھیں"۔ یہ دونوں دعائیہ کلمات زندہ شخصیات کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

دینِ اسلام کے ایک انتہائی اہم شعبہ "تصوف" کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں بہت سے سوالات اُبھرتے ہیں۔اِس مختصر رسالے میں اُن سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

جِن حضرات کے بیانات اور مجالس سے اِس رسالے کی تیاری میں مدد ملی اُن میں سرفہرست بندے کے شیخ حضرت مولانا سیّد ظَفَر علی شاہ صاحب (خلیفہ مجاز حضرت مفتی محمد فرید مجددیؒ) ہیں جن کی مجالس مبارکہ سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ آپ کے علاوہ حضرت ڈاکٹر فِدا محمد صاحب (خلیفہ حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ)، جناب پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی صاحب (خلیفہ حضرت ڈاکٹر فِدا محمد صاحب)، محترم مفتی سیّد عدنان کاکا خیل صاحب (خلیفہ حضرت مفتی سیّد مختار الدین شاہ صاحب، کربوغہ شریف) اور مفتی محمد طفیل کوہاٹی صاحب (خلیفہ حضرت ڈاکٹر فِدا محمد صاحب) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اِن حضرات کی مجالس، بیانات اور تحریروں سے بندے کو بہت فائدہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ اِن تمام حضرات کے علم، عمر اور صحت میں برکت نصیب فرمائے اور اِن کے فیوضات سے اُمّتِ مُسلمہ کو مستفید فرمائے آمین۔

بندہ نہایت ممنون ہے شیخ مکرم حضرت مولانا سید ظفر علی شاہ صاحب، حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب، محترم پروفیسر ڈاکٹر نیاز محمد صاحب (ڈین فیکلٹی آف آرٹس، عبدالولی خان یونیورسٹی مردان)، محترم مفتی محمد طفیل کوہاٹی صاحب، جناب

قاری عبدالباسط صاحب (خلیفہ حضرت مفتی محمد فرید مجددیؒ)اور مولاناسفیان علی صاحب(خلیفہ حضرت مولاناشاہ حکیم محمداختر صاحبؒ) کا، جنہوں نے اپنے مصروف اوقات میں سے وقت نکال کر رسالہ پر نظر ثانی کی اور کئی قابل تصحیح امور کی نشاندہی کی۔اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطافرمائے۔آمین۔

اس رسالہ کا کچھ حصہ محترم مولانا محمد الیاس صاحب(خلیفہ مجاز حضرت مفتی محمد فرید مجددیؒ) کی کتاب "یادگار سفر" میں شامل کیا گیا تھا لیکن موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اب اسے مزید اضافوں کے ساتھ الگ شائع کیا جارہاہے۔

اللہ تعالیٰ اس کاوش کو محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرماکر اپنی رضائے کاملہ عطافرمائے۔(آمین)

انجنیئر علاؤالدین

(خلیفہ مجاز حضرت مولاناسید ظفر علی شاہ صاحب رُستمی مجددی مدظلہ)

و

(لیکچرر،ڈیپارٹمنٹ آف کمپیوٹر سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی،یونیورسٹی آف انجنیئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی،پشاور)

ابتدائی کلماتِ مبارکہ

حضرت مولانا سیّد ظفر علی شاہ صاحب رُستمی مجددی مدظلہ

(خلیفہ حضرت مولانا مفتی محمد فرید مجددی زَروبوی رحمہ اللہ)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

قران پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

یعنی " جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی ہے (دین اسلام کی سربلندی کے لئے اور اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے کے لئے) تو ہم اُنہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے " (سورہ عنکبوت، آیت ٦٩)

جہاد کی ایک قسم تو کفار کے ساتھ قتال ہے اور دوسری قسم اپنے نفس کے ساتھ جہاد ہے جسے جہادِ اکبر بھی کہا گیا ہے۔ حضرت مفتی محمد فرید رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے کے بہت سے راستے ہیں لیکن تصوف اُس میں شاہراہ کی طرح ہے۔

نبی کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے صحابہ کرام کو ہر عمل میں اخلاص اور دھیانِ الٰہی کی کیفیت (کیفیتِ احسان) حاصل تھی۔ آپ ﷺ کے زمانہ سے جتنی

دُوری آتی گئی، شَر غالب ہوتا گیا۔ چنانچہ بزرگانِ دین نے اِس بات کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ذکر کے مختلف طریقے تجویز فرمائے۔

جس طرح دینی تعلیم کا مشہور طریقہ "درسِ نظامی"، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانے میں موجود نہیں تھا لیکن ضرورت کے پیش نظر اس ترتیب (درس نظامی) کو اختیار کیا گیا۔ اسی طرح صوفیائے کرام کے تجویز کردہ اذکار کی حیثیت ہے کہ یہ مختلف طریقے لوگوں کی اصلاح کے لئے اُن کی ضرورتوں اور حالات کو مد نظر رکھ کر تجویز کئے گئے ہیں اور ان تمام طریقوں کی اصل شریعت میں موجود ہے۔

تصوف میں رہنمائی کرنے والے پیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود بھی نورِ قلب حاصل کر چکا ہو اور دوسروں کو بھی یہ نور منتقل کرانے کی صلاحیت رکھتا ہو یعنی مُنَوَر بھی ہو اور مُنَوِر بھی ہو۔ اس کے علاوہ خود بھی صاحب کمال ہو اور دوسروں کو بھی صاحب کمال بنانے کی صلاحیت رکھتا ہو یعنی مکمّل اور مُکمِّل ہو۔

تصوف کا اصل مقصد یہ ہے کہ مُرید کو اللہ تعالیٰ کی حضوری کا مستقل دھیان اور احسانی کیفیت (حضورِ دائم) نصیب ہو جائے جس کے نتیجے میں اُس کے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات، معاشرت اور سیاسیات الغرض سب کچھ شریعت کے تابع ہو جائیں۔

انجنیئر علاؤالدین صاحب نے اس مختصر رسالہ میں تصوف کی اِسی حقیقت کو بیان کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ عوام کے ذہنوں میں پائے جانے والے شکوک کو

دور کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ (آمین)

دعا گو

(حضرت مولانا) **سیّد ظفر علی شاہ** (رُستمی دامت برکاتہم) [1]

(خلیفہ حضرت مفتی محمد فرید زَروبوی رحمۃ اللہ علیہ)

[1] حضرت مولانا سید ظفر علی شاہ صاحب، 14 اگست 1964ء (۵ ربیع الثّانی، ۱۳۸۴ ہجری) کو محلہ کھنڈر، علاقہ رستم، ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی علماء سے حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا قاضی محمد امین صاحبؒ، حضرت مولانا عبد الرزاق صاحبؒ (مردان)، حضرت مولانا حمد اللہ جان صاحبؒ (ڈاگئی) اور حضرت مولانا مفتی محمد فرید مجددیؒ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت مفتی محمد فریدؒ نے آپ کو احادیث کی سند سے بھی نوازا ہے۔ آپ 1989ء (۳ جمادی الثانی ۱۴۰۹ ہجری) میں حضرت مولانا مفتی محمد فرید مجددی زروبویؒ سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ 1994ء (۲۴ جمادی الثانی ۱۴۱۵ ہجری) میں آپ کو خلافت ملی۔ کچھ عرصہ بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے آپ کو سلسلہ نقشبندیہ کے علاوہ دیگر آٹھ سَلاسِل میں بھی خلافت مَرحمت فرمائی۔
آپ مسجد عبد اللہ ابن مسعودؓ (محلہ اخون بابا، رُستم، مردان) میں اِمامت اور خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ اِسی مسجد میں باقاعدگی کے ساتھ درس قرآن کا سلسلہ بھی جاری رکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ خانقاہِ فریدیہ (متصل مسجد ہٰذا) میں بیعت و ارشاد اور احسان و سلوک کا کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ حضرت شیخ صاحب کے فیوض و برکات کو عام فرمائے اور ہمیں آپ سے زیادہ سے زیادہ مُستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

کلماتِ مبارکہ

حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ

(خلیفہ حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمہ اللہ)

و

(سابق چیئرمین ڈیپارٹمنٹ آف اناٹومی خیبر میڈیکل کالج پشاور)

برخوردارِ گرامی قدر انجنیئر علاؤالدین صاحب کی تحریر "تصوف کی حقیقت" حرف بہ حرف پڑھی، دل سے دُعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا سیّد ظفر علی شاہ صاحب کو دنیا و آخرت کی برکتیں اور رفعتیں نصیب فرمائے جو علاؤالدین صاحب کی تربیت کا ذریعہ بنے۔ تحریر بہت آسان ہے اس دور کا معمولی اردو دان آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ ساری تحریر قرآن و حدیث، فقہ و تصوف کی روشنی میں مضبوط اور جامع ہے۔ دل بہت خوش ہوا کہ ہمارے بزرگوں کی تعلیمات، جن کی روشنی میں ہم جدوجہد کر رہے تھے، ہماری نئی نسل اُسے اُٹھانے کے قابل ہو گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ علاؤالدین صاحب کی عمر، صحت، ایمان، معرفت میں برکت نصیب فرمائے۔ کتاب سے ان شاء اللہ فائدہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ جلد اشاعت آسان فرمائے۔ (آمین)

دعا گو دعاجو

(حضرت) ڈاکٹر فدا محمد (دامت برکاتہم)

کلماتِ مبارکہ

حضرت علامہ مفتی محمد طفیل کوہاٹی صاحب مدظلہٗ

(خلیفہ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ)

و

(مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی کوہاٹ)

باسمہٖ سبحانہٗ و تعالیٰ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد!

عزیز القدر جناب انجنیئر علاؤالدین صاحب گو کہ پیشے کے لحاظ سے مہندس (انجنیئر) ہیں لیکن اہل علم و اہل دل کی صحبت سے دین متین کا عمدہ فہم خصوصاً تصوف و سلوک کا شعوری ادراک رکھتے ہیں۔ زیر نظر رسالہ آپ کے فہم و ادراک کا ایک جامع پہلو ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو مزید برکات سے نوازے۔ (آمین)

انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثتِ مبارکہ کا ایک بڑا مقصد "تزکیہ" ہے۔ آنحضرت ﷺ کے مقاصد بعثت میں "اوّلیت" و "مرکزیت" اِسی کو حاصل ہے۔ باقی مقاصد اسی کے مکملات (مکمل کرنے والے) ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کا تزکیہ دین متین کے جملہ پہلوؤں اور شعبہ جات کو پیش نظر رکھ کر فرمایا اور اُن کے باطن کو ایسا پاک وصاف بنایا کہ ہر حکم کا تکمیلی پہلو اُنہیں بدرجہ کمال حاصل تھا۔

عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاقیات، درس و تدریس، دعوت و

تبلیغ، جہاد و سیاست اور اصلاح و ارشاد کے تمام امور میں تعلیمی و تعمیلی پہلو برتنا بظاہر آسان رہتے ہیں لیکن تکمیلی پہلو کامل تزکیہ پر موقوف (منحصر) ہوتا ہے اور تکمیلی پہلو کے حصول کے بغیر ان تمام احکام و فرائض کی وہ شکل قائم نہیں ہوتی جو عند اللہ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) مطلوب ہوتی ہے۔ تصوف پورے دین کے اسی تکمیلی پہلو کے حصول کی محنت کا نام ہے۔

صوفی کا میدان صرف اخلاقیات کی اصلاح نہیں، بلکہ عقائد، تجارت و اقتصاد، عدالت و قانون، سیاست و جہاد اور معاشرت و ریاست کے کارزار میں ہر حکم و فریضہ کی بجا آوری کا صوفیا کے ہاں معیاری نظام موجود ہے، اس لئے پورا دین ہی تصوف کا موضوع ہے۔ اس کا آغاز " انما الاعمال بالنیات "(اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ الحدیث) سے ہوتا ہے اور "ان تعبداللہ کانك تراہ "(تُو اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرے گویا کہ تُو اُس کو دیکھ رہا ہے۔ الحدیث) پر جاکر اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ "ان تعبداللہ کانك تراہ" سے مراد صرف نماز، روزہ نہیں بلکہ پورے دین کے ہر حکم و فریضہ کی انجام دہی ہے۔

عزیزم علاؤالدین صاحب نے تصوف کا جو تعارف پیش فرمایا ہے، یہی سلف صالحین کا شعار تھا۔ اسی راہِ تصوف سے کامل شخصیات اور معیاری معاشرت و ریاست تعمیر پاتی ہے اور یہی تصوف مطلوب و مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے بغیر آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال کا اتباع تو ممکن ہے لیکن اُن "احوال" کی پیروی و حفاظت ناممکن ہے، جس کی حقیقت لفظ "احسان" میں بیان کی گئی ہے اور جو آنحضرت ﷺ کی صحبت سے صحابہ نے حاصل کر کے من حیث الجماعت تابعین کو دیں اور اُن سے تبع

تابعین اور پھر سلف صالحین اور صوفیائے اُمت میں منتقل ہوئیں۔

اُمید ہے کہ یہ رسالہ پہلے طبع کی طرح بار بار مسلمانوں کی رہنمائی کا ذریعہ بنے گا اور تصوف سے پیدا ہونے والی بے جا وَحشت کے تدارک کا کام دے گا۔ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے اور اُن کے فیض کو مزید عام اور تام فرمائے (آمین)۔ بندہ نے اسے استفادہ کی نیت سے پڑھا ہے اور عزیز موصوف کو چند لفظی ترامیم کا مشورہ عرض کیا ہے، امید ہے بشرطِ صحت اس سے اعتنا برتیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقبول بندوں سے کامل استفادہ کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

از

(حضرت مفتی) محمد طفیل کوہاٹی عفی عنہ

مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی کوہاٹ

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ ہجری

تَصَوُّف کیا ہے؟

”تصوف“ دین کا ایک اہم شُعبہ ہے جس میں انسان کے ”دِل“ اور ”نَفس“ کو پاک اور صاف کر کے اُس کی اصلاح کی جاتی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کا دھیان اور رَضا حاصل ہو جائے۔

اصلاح کے دو اجزاء ہیں:

(1) ظاہری اصلاح　　　(2) باطِنی اصلاح

1. ظاہری اصلاح سے مُراد یہ ہے کہ

i. ظاہری اعضاء سے صادِر ہونے والے گناہ (مثلاً جھوٹ، غیبت، چوری، زِنا وغیرہ) چُھوٹ جائیں اور

ii. عبادات، معاملات اور معاشرت (یعنی زندگی کے ہر شعبے میں) میں اچھی صفات اپنا کر مکمل دین پر عمل ہونے لگے۔

2. باطنی اصلاح سے مُراد یہ ہے کہ

i. عقائد درست ہو جائیں،

ii. اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر ایمان مضبوط ہو جائے،

iii. دِل اور نفس کے گناہ اور بُری صفات (مثلاً حَسَد، بغض، ریا، تکبر اور کینہ وغیرہ) کی اصلاح ہو جائے اور

iv. اچھی صفات (مثلاً اللہ تعالیٰ کی محبت، اللہ تعالیٰ کا خوف، عاجزی، اخلاص، صبر، شُکر، توکّل، تسلیم و رضا وغیرہ) حاصل ہو جائیں۔

3. اللہ تعالیٰ کے دھیان کی کیفیت حاصل کرنے سے مُراد یہ ہے کہ

- زندگی کے ہر معاملہ میں یہ کیفیت نصیب ہو جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں اور وہ میرے ہر ارادے، عمل اور حرکت کو دیکھ رہا ہے۔ یہ کیفیت مستقل طور پر حاصل ہو جائے تو دین پر عمل کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے اور ہر عمل کرتے وقت نیت صرف یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے۔ اِس کیفیت کو "کیفیتِ احسان" کہتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ کیفیت حاصل تھی اور اِسی کیفیت کو حاصل کرنے کے لئے راہِ تصوف میں مُرشد کی رہنمائی میں مختلف اذکار اور مُراقبات کرائے جاتے ہیں۔[1]

4. اس ظاہری اور باطنی اصلاح کے نتیجہ میں:

- عقائد درست ہو جاتے ہیں،
- اچھی صفات پیدا ہو جاتی ہیں،[2]
- نیک اعمال کرنے کی توفیق مل جاتی ہے اور
- غلط عقائد، بُری صفات اور بُرے اعمال سے نجات مل جاتی ہے۔

---

[1] کیفیتِ احسان کا ذکر بخاری شریف (باب الایمان) کی حدیث میں آیا ہوا ہے، جسے حدیثِ جبرائیل بھی کہتے ہیں۔ [2] اچھی صفات کو اخلاقِ حمیدہ اور بُری صفات کو اخلاقِ رَذیلہ کہتے ہیں۔

❖ مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں تصوف کی مختصر تعریف ہم یوں بھی کر سکتے ہیں کہ؛

" ظاہر اور باطِن کی اصلاح کا نام تصوف ہے "

یا

"اعلیٰ درجے کا ایمان اور تقویٰ حاصل کرنے کا نام تصوف ہے"

❖ نَفس کی اصلاح کرنے کو "تزکیہ نَفس " اور دِل (قَلب) صاف کرنے کو "تصفِیہ قَلب " کہتے ہیں۔

❖ تصوف کو " طریقت " اور "سلوک " وغیرہ کے ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے۔

❖ مندرجہ بالا وضاحت سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ "تصوف دراصل دین اسلام کے ایک اہم شعبہ "اخلاقیات "ہی کا دوسرا نام ہے۔"

تصوف کی راہ پر چلنے والے مسلمان میں کون سی صفات پیدا ہونی چاہیئں؟

تصوف میں اَصل اِصلاح انسان کے باطِن یعنی "قَلب "اور "نَفس "کی ہوتی ہے جس کے نتیجے میں وہ مکمل دین پر عمل کرنے لگ جاتا ہے۔ گویا صرف ذکر و اذکار اور مُراقبے کرنے سے ہی کوئی صوفی نہیں بنتا بلکہ دین اسلام کے تمام اجزاء یعنی عقائد، عبادات ، معاملات (لین دین، ملازمت، تجارت وغیرہ) ، مُعاشرت (Social interaction)اور اخلاقیات میں، اللہ تعالیٰ کی رَضا حاصل کرنے کے لئے دین پر عمل کرنے والا ہی اصل صوفی ہے۔

تصوف کی راہ پر چلنے والے انسان کو اپنے اندر مندرجہ ذیل خوبیاں اور صِفات پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے:

1. اُس کے عقائد درست ہو جائیں اوروہ عقائد اُس کے باطن پر مکمل طور پر حاوی ہو جائیں :

- یعنی اُس کا ایمان اتنا مضبوط ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو احَد(ایک)،خالق، مالک، مُشکل کُشا اور تمام صِفات کا سَر چشمہ تسلیم کرےاور اللہ تعالیٰ پر اُس کا ایمان صرف زبانی نہ ہو بلکہ کسی بھی تکلیف و پریشانی میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات و صفات پر مکمل اعتماداور یقین رکھے۔ اسباب کو بھی صرف اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر اختیار کرے۔
- اس کے علاوہ دیگر جتنے بھی ضروری عقائد ہیں اُن سب پر اُس کاعقیدہ مضبوط ہو جائے کیونکہ دُنیا وآخرت میں کامیابی کے لئے سب سے پہلی شرط دُرست عقائد کا سیکھنا اور اُن پر ایمان لاکر اُن کی روشنی میں زندگی گزارنے کا ارادہ اور کوشش کرناہے۔

2. تمام عبادات سے متعلق ضروری دینی علم حاصل کرکے اخلاص کے ساتھ اُن پر عمل کرنے کاپابند ہو جائے۔

3. تمام معاملات یعنی نکاح وطلاق، تجارت، کاروباراور ملازمت وغیرہ سے متعلق ضروری علم حاصل کرکے ان پر اخلاص کے ساتھ عمل کرےاور ہر معاملہ میں دیانت، امانت اور سچائی سے کام لینے کی کوشش کرے کیونکہ ایمان کی مضبوطی کاامتحان تومعاملات میں ہی ہوتا ہے۔

4. اُس کی مُعاشرت یعنی ماں باپ، رشتہ داروں، پڑوسیوں، دوستوں اور معاشرے کے دیگر افراد کے ساتھ روزمرہ تعلقات، شریعت کے احکامات کے مطابق ہو جائیں۔

5. بُری صِفات (مثلاً ریا، حَسَد، بُغض، کینہ، تکبر اور لالچ وغیرہ) کے متعلق ضروری علم حاصل کر لے اور ان بری صفات کی اصلاح کر لے۔

6. اچھی صفات (مثلاً صبر، شکر، اخلاص، عاجزی، اللہ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کا خوف وغیرہ) کے متعلق ضروری علم حاصل کر لے اور ان تمام اچھی صفات کو اپنے اندر پیدا کر لے؛

- جس طرح ظاہری اعضاء سے صادر ہونے والے گناہ (جھوٹ، غیبت، زنا وغیرہ) چھوڑنا ضروری ہیں، اِسی طرح دل کے گناہ (حسد، بغض، کینہ، تکبُّر اور ریا وغیرہ) چھوڑنا بھی فرض ہیں۔ اگر ان گناہوں کی عادت پھر بھی باقی رہے تو اپنے پیر و مُرشد سے رہنمائی لے کر ان بری عادتوں کو دور کرے۔
- اور جس طرح ظاہری نیک اعمال کرنا ضروری ہیں اسی طرح دل کے نیک اعمال (صبر، شکر، اخلاص، اللہ کی محبت، توکل، وغیرہ) بھی فرض ہیں۔

7. ذکر الٰہی کی کثرت سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان اور خیال چھا جائے؛

- حدیث میں اس کو "اِحسان" کہا گیا ہے جس میں ہر عمل کرتے وقت "اللہ تعالیٰ میرے سامنے ہے یا اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے" کی کیفیت نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ کیفیت حاصل ہو جانے کے بعد ہر عمل میں انسان کی نیت صرف یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائیں ۔

8. روزمرہ کے اعمال میں سُنتوں اور آداب کی پابندی حاصل ہو جائے۔

جب یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی عام سنت یہی ہے کہ وہ انسان کو اپنی "رَضا" اور "خوشنودی" عطا فرما کر اپنے خاص بندوں میں شامل فرما لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کے ساتھ اس خصوصی تعلق کو "نِسبَت" کہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے اور تصوف کے راستے پر چلنے کا اصل مقصد ہے۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ دُنیا میں ہی جنت کے مزے نصیب فرما دیتے ہیں۔ [1]

---

[1] تصوف و سلوک کی یہ مختصر وضاحت "حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ" کی کتاب "اصلاح نفس" سے (مفہوماً) نقل کی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب، حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ کے خلیفہ ہیں۔

حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ عرصۂ دراز سے سلسلہ چشتیہ صابریہ کے ذریعے لوگوں کی تربیت فرما رہے ہیں اور صوبہ خیبر پختونخوا اور خاص کر پشاور کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو آپ سے بہت دینی فائدہ پہنچ رہا ہے۔ خیبر میڈیکل کالج پشاور سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ نے علاقہ آفریدی گڑھی، نزد پاوہ کئی (پُشت یونیورسٹی ٹاؤن) پشاور میں مسجد اور خانقاہ تعمیر فرمائی ہے اور آج کل بھی خانقاہ، حیات آباد اور پشاور یونیورسٹی کی مختلف مساجد میں ذکر کی ہفتہ وار مجالس منعقد فرماتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ کے شیخ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ (خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) کے مُرید اور حضرت شاہ عبدالعزیز دُعاجو دہلویؒ کے خلیفہ تھے۔ شاہ عبدالعزیز دُعاجو دہلویؒ، حضرت شاہ یٰسین نگینویؒ (خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) کے خلیفہ تھے۔ اِس کے علاوہ مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ کو حضرت مولانا فقیر محمدؒ (خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) سے بھی خلافت ملی تھی۔ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحب کی عُمر اور صحت میں برکت دے اور اُن کے فیض کو مزید عام فرمائے۔ (آمین)

اہم نکتہ

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اپنی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے سچی طلب اور مجاہدہ (کوشش) ضروری ہے، لیکن اگر کوشش اور طلب کے باوجود کسی کی مکمل اصلاح نہ ہو سکی تب بھی وہ ناکام تصور نہیں ہوگا بلکہ قیامت کے دن، اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں میں سے اُٹھایا جائے گا (ان شاء اللہ) کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی سچی طلب اور کوشش کو ضائع نہیں فرماتے۔

کیا قرآن پاک اور احادیث میں نَفس اور قلب کی صفائی کا حکم دیا گیا ہے؟

قرآن پاک میں نبی کریم ﷺ کی جن چار بنیادی ذمہ داریوں کا ذکر ہے اُن میں سے ایک ذمہ داری، مسلمانوں کے عقائد اور اعمال کا تزکیہ (پاک کرنا) بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ اُن کے درمیان اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، اُنہیں پاک صاف بنائے اور اُنہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جب کہ یہ لوگ اِس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔ (آل عمران، آیت ۱۶۴)

ایک دوسری جگہ ارشاد پاک ہے:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى ۝

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا وہ (شخص) یقیناً فلاح پا گیا۔ (سورہ الاعلیٰ، آیت ۱۴)

گویا تصوف (جس میں انسان کے نَفس اور قلب کی اصلاح ہوتی ہے) کو قرآنِ پاک نے "تزکیہ" کا نام دیا ہے اور دُنیا اور آخرت میں کامیابی کے لئے نَفس کے "تزکیہ" کو ہی بنیادی شرط قرار دیا ہے۔

اِسی طرح قلب (دِل) کی صفائی کے بارے میں نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

" سُن لو کہ بے شک آدمی کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن فاسد ہو جاتا ہے۔ سُن لو! وہ ٹکڑا "قلب (دِل)" ہے۔ (کتاب الاِیمان، بخاری)

اِس حدیث سے قلب کی صفائی کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ قلب کی صفائی سے مُراد "تمام غلط عقائد سے نجات حاصل کرنا اور دِل میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صِفات کی مُحبت، عظمت، خوف اور کامل یقین پیدا کرنا ہے۔"

تَصَوُّف کو احادیثِ مبارکہ میں کون سا نام دیا گیا ہے؟

احادیث مبارکہ میں تصوف کو "اِحسان" کا نام دیا گیا ہے۔ بخاری شریف کی مشہور حدیث (جس کو حدیثِ جبرائیل بھی کہتے ہیں) کے آخر میں نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تُم اُس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اُس کو نہیں دیکھ رہے تو بلاشبہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔"

حدیث شریف میں ذکر کردہ اس کیفیت کو "کیفیتِ احسان" کہتے ہیں۔اور اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں یہ یقین اور دھیان نصیب ہو جائے کہ میں اپنے رب کے سامنے ہوں اور وہ ہمارے ہر ارادے، عمل اور حرکت کو دیکھ رہے ہیں۔یہ کیفیت تمام صحابہ کرام کو حاصل تھی اور ہر مسلمان کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ وہ اس کیفیت کو حاصل کرے۔اسی کیفیت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ہر عمل کرتے وقت نیت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہوتی ہے۔تصوف میں اسی کیفیت کو پیدا کرنے کے لئے مختلف اذکار و مُراقبات اور مُجاہدات کرائے جاتے ہیں۔

صوفیائے کرام کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟

نبی کریم ﷺ کی جن چار بنیادی ذمہ داریوں کو قرآن پاک کی سورہ آلِ عمران آیت ۱۶۴ میں بیان کیا گیاہے،وہ یہ ہیں:

(۱) قرآن پاک کی تلاوت　　(۲) قرآن پاک کی تعلیم

(۳) حِکمت کی تعلیم　　(۴) تزکیہ (یعنی عقائد اور اعمال کی اصلاح کرنا)

حضور ﷺ کی وفات کے بعد یہ چاروں کام صحابہ کرامؓ نے سرانجام دیئے اور اُن کے بعد تابعین اور تبع تابعین نے۔بعد میں ان میں سے ہر ذمہ داری کو سرانجام دینے کے لئے ماہرین تیار ہوئے، جن سے اللہ تعالیٰ نے اُس میدان میں تفصیلی کام لیا۔

قرآنِ پاک کی تفسیر کرنے والے (مُفَسِّرِین)، حدیث کے الفاظ کی حفاظت کرنے والے (مُحَدِّثِین)، قرآن پاک کی درست تلاوت سکھانے والے (قراء حضرات) اوردین کی سمجھ بُوجھ رکھنے اوردرپیش دینی مسائل کا حل اُمَّت تک پہنچانے والے (فُقہاء) کی الگ الگ جماعتیں بنیں۔

بالکل اسی طرح "تزکیہ نفس" کو بطورِ خاص جِن بُزرگوں نے اپنی محنت کا میدان بنایا وہ بزرگان دین "صوفیائے کرام" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ چنانچہ جس طرح تفسیر، حدیث اورفِقہَ وغیرہ کی تعلیم کے لئے استاد کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح عقائد اور اعمال کی اصلاح کے لئے بھی کسی رہنما اور اُستاد کی ضرورت پڑتی ہے جسے "پیر"، "مُرشد" یا "شَیخ" کہا جاتا ہے۔

کیا تصوف فرض عین ہے؟

جس طرح ہر مرد اور عورت پر اپنے اپنے حالات کے مطابق دینی مسائل جاننا فرض ہے اور پورے دین کے تمام مسائل میں بصیرت ومہارت پیدا کرنا اور مفتی بننا سب پر فرض نہیں بلکہ فرضِ کفایہ ہے، اسی طرح جن اچھی صفات (یعنی اخلاقِ حمیدہ) کو حاصل کرنے کا حکم دین اسلام میں دیا گیا ہے اُن کے بارے میں جاننا اور اُن صفات کو اپنے اندر پیدا کرنا بھی فرض ہے۔ مثلاً سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ تقویٰ، اخلاص، توکل، صبر و شکر، تسلیم و رضا، تواضع، خشوع، قناعت، حِلم، سخاوت وغیرہ سے کیا مراد ہے اور پھر یہ جاننا بھی ضروی ہے کہ ان صفات کو اپنے اندر پیدا کیسے کیا جائے؟

اس کے ساتھ ساتھ جن بری صفات (اخلاقِ رذیلہ) سے بچنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اُن کے بارے میں جاننا، اُن کی اصلاح کرنا، اور اُن سے بچنا بھی فرض ہے۔ مثلاًیہ جاننا بھی ضروری ہے کہ تکبر، عُجب، ریاء، مال کی محبت، بخل، بزدلی، لالچ، حسد، کینہ وغیرہ کی حقیقت کیا ہے اور ان سے کیسے بچا جائے۔

خلاصہ یہ کہ کم از کم اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے جس کی مدد سے اچھی صفات حاصل ہو جائیں اور بری صفات سے نجات نصیب ہو جائے، اور یہی علم صوفیائے کرام کی زبان میں "علم تصوف" کہلاتا ہے۔ اور کسی شخص کا پورے علم تصوف میں اتنی بصیرت و مہارت پیدا کرنا کہ دوسروں کی بھی اصلاح اور تربیت کر سکے، یہ فرضِ کفایہ ہے [1]۔ لہٰذا "فقہ" کی طرح علم تصوف کا بھی ایک حصہ فرضِ عین ہے اور پورا علم تصوف حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ (اقتباس از "فقہ و تصوف" از حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب)

---

[1] فرض کی دو قسمیں ہیں: فرض عین اور فرض کِفایہ۔

فرضِ عین اُس فرض کو کہا جاتا ہے جس کا ادا کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر ضروری ہے، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچنا وغیرہ۔ فرضِ کفایہ وہ فرض ہے جو بعض لوگوں کے بقدرِ ضرورت ادا کرنے سے باقی مسلمانوں کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسے مسلمان میت کے کفن دفن کا انتظام، نماز جنازہ، جہاد وغیرہ۔

اگر کسی بستی میں کوئی ایک شخص بھی ایسا موجود ہو جو وہاں کے مسلمانوں کو پیش آنے والے شرعی مسائل بتا سکے اور اُن کے تزکیہ اخلاق کا کام بقدرِ ضرورت کر سکے تو اس بستی کے باقی مسلمانوں کے ذمہ سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے، اور اگر اس شہر میں ایک شخص بھی ایسا موجود نہ ہو تو وہاں کے لوگوں پر فرض ہے کہ ایسا عالم اپنے یہاں تیار کریں یا کہیں اور سے بُلا کر رکھیں، ورنہ سب اہل شہر گناہ گار ہونگے۔ (تفسیر معارف القرآن ج4: ص487 تا490، و ردالمختار مع الدر المختار ج:1، ص40)

تَصوف کے بارے میں کون سے غلط تصورات معاشرے میں پائے جاتے ہیں؟

دورِ حاضر میں بہت سارے نظریات اوراعمال ایسے ہیں جنہیں کم علمی کی وجہ سے تصوف سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ اُن کا اصل شرعی تصوف کے ساتھ دُور دُور کا کوئی تعلق نہیں۔ مثلاً:

- پیروں، فقیروں یا ان کے مزاروں کو سجدے کرنا تصوف نہیں بلکہ انتہائی درجے کی گمراہی ہے جس کی بعض صورتیں کفر و شرک تک پہنچا دیتی ہیں۔اسی طرح بعض مزارات پر ہونے والی بدعات، شرکیہ اعمال اور مخلوط اجتماعات کا بھی اصل تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔
- کَشف و کرامات کو حاصل کرنا بھی تصوف نہیں، نہ ہی یہ ضروری ہے کہ ہر صوفی کو کشف یا کرامات حاصل ہوں[1]۔ اگر کوئی شخص اخلاص کے ساتھ مکمل دین پر عمل کرتا ہے اور تمام ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچتا ہے تو وہ کامیاب ہے، چاہے اُسے کوئی کیفیت حاصل نہ ہو، کیونکہ کشف و کرامات یا دوسری کسی کیفیت کا حاصل کرنا، تصوف کے مقاصد میں سے ہے ہی نہیں۔ تصوف میں صرف "اپنی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی رضا" مقصود ہے۔ اگر کسی شخص کو عجیب و غریب کیفیات حاصل ہوں لیکن وہ

---

[1] کَشف کا لفظی معنٰی ہے "کُھل جانا" یا "ظاہر ہو جانا"۔ اِس سے مُراد یہ ہے کہ قبر میں مَیِّت پر گزرنے والے حالات، یا کسی زندہ انسان کے دِل میں آنے والے خیالات یا مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کسی شخص پر ظاہر ہو جائیں۔ علماء نے واضح کیا ہے کہ کشف کا تعلق تقویٰ سے نہیں بلکہ مَشق (Practise) سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ہندو جوگیوں کو بھی کبھی کبھی یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ ہیپناٹزم بھی اس کی ایک مثال ہے۔

دین پر عمل نہیں کر رہا اور اُس کا ظاہر و باطن شریعت کے خلاف ہے تو وہ دھوکے باز اور جادوگر تو ہو سکتا ہے، صوفی بالکل نہیں ہو سکتا۔

- قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری پیر کے اوپر ڈالنا بھی تصوف نہیں۔
- دنیا کا ہر کام کامیابی سے مکمل ہونے کی ضمانت بھی تصوف نہیں کہ صرف جھاڑ پھونک اور تعویز گنڈوں سے ہر کام ہو جایا کرے گا۔
- ماں باپ، بیوی بچوں اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی سے منہ پھیرنا اور دُنیا سے لاتعلق ہو کر ایک گوشہ میں مستقل طور پر بیٹھ جانا بھی تصوف کا مزاج نہیں۔
- بزرگوں کے مزارات پر دھمال ڈالنا یا رقص کرنا بھی تصوف نہیں۔
- طریقت (تصوف) اور شریعت (دین اسلام کے احکامات) کو الگ الگ سمجھنا بھی سنگین درجے کی گمراہی ہے۔ طریقت اور شریعت ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں کیونکہ شریعت پر مکمل اخلاص کے ساتھ عمل کرنا ہی طریقت ہے۔
- انوارات کا نظر آجانا یا جسم کے بعض مقامات (جنہیں لَطائف کہتے ہیں) کا حرکت کرنا، وجد میں آجانا، اچھے خواب دیکھ لینا (وغیرہ) اگرچہ اچھے حالات ہیں جو بعض اوقات مُریدوں کو پیش آتے ہیں لیکن تصوف کے اصل مقاصد سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔
- اپنے پیر (یا کسی اور شخصیت) کو تمام مشکلات کا حَل کرنے والا (مشکل کُشا)، غیب کی تمام خبروں کا جاننے والا (عالم الغیب) اور نظام کائنات میں ہر وقت ہر قسم کی تبدیلی کا اختیار اور قوت رکھنے والا ماننا بھی تصوف نہیں، بلکہ عقیدۂ کفر ہے کیونکہ مشکل کُشا، حاجت روا، عالم الغَیب اور تبدیلی کا اختیار اور قوت رکھنے والا صرف اور صرف "اللہ تعالیٰ" ہے۔

نقشبندی، چشتی، سہروردی اور قادری سلسلوں کی حقیقت کیا ہے؟

ہر دور میں بزرگان دین، امت کی اصلاح کے لئے مختلف علاج تجویز کرتے رہے ہیں۔ چونکہ ذکرُاللہ اور مُراقِبات (غور و فکر) کو اصلاح میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اس لئے بعض بزرگانِ دین نے ذکر و مُراقبہ کے ایسے طریقے تجویز کئے جن سے لوگوں کی اصلاح جلد ہو جایا کرتی تھی۔

حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ نے ذکر و مُراقبہ کے جس طریقہ کو تجویز کیا اس کے مطابق ذکر و مُراقبہ کرنے والوں کو نقشبندی کہا جانے لگا۔ اسی طرح حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے تجویز کردہ طریقہ پر چلنے والوں کو سہروردی، حضرت معین الدین چشتیؒ کے طریقہ پر چلنے والوں کو چشتی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے طریقے پر چلنے والوں کو قادری کہا جانے لگا۔

اگرچہ اس طرح کے کئی سلسلے ہیں لیکن ہمارے علاقوں میں یہی چار بہت مشہور ہوئے؛

سِلسلہ نقشبندیہ سلسلہ چِشتیہ سلسلہ قادریہ سلسلہ سہَروردیہ

یہاں اِس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مندرجہ بالا تمام سلسلوں کے حضرات کے عقائد ایک جیسے ہی ہیں، سب اہل السُنّت والجماعت سے ہی تعلق رکھتے ہیں اور ان کو الگ الگ فرقے تصور کرنا درست نہیں۔ ان کی الگ پہچان صرف اصلاح کے طریقے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔

کیا نئے طریقوں سے ذکر کرنا بھی بدعت ہے؟

عام طور پر یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ کیا ذکر کے نئے طریقے تجویز کرنا اور اُن طریقوں کے مطابق ذکر کرنا بدعت نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر نئی چیز کو بدعت نہیں کہا جاسکتا۔ صوفیائے کرام کے تجویز کردہ خاص قسم کے مُراقِبات اور اذکار دراصل "ذریعہ" اور "آلہ" کی طرح ہیں۔ جن دینی مقاصد اور کیفیات کو حاصل کرنا ضروری ہے، یہ (اذکار اور مُراقِبات) اُنہیں حاصل کرنے کے لئے بطور ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں۔

مقاصد اور ذرائع میں کیا فرق ہے؟

ہمارے دین میں دو بنیادی چیزوں میں فرق کرنا ضروری ہے:

(1) مقاصد (2) ذرائع

قرآن پاک کی تلاوت، تبلیغ، جہاد، صدقہ و خیرات اور اِصلاح (تزکیہ) کرنا اور محبت الٰہی، خوفِ خدا، علم دین (وغیرہ) حاصل کرنا دین کے بنیادی "مقاصد" میں سے ہیں۔ قرآن و حدیث میں ان مقاصد کو حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، البتہ ان "مقاصد" کو حاصل کرنے کے "ذرائع (طریقوں)" کی تمام تفصیلات کا قرآن و حدیث میں ذکر نہیں اور نہ ہی ان ذرائع کا قرآن و حدیث میں موجود ہونا ضروری ہے۔

مثلاً حضور ﷺ کے دور میں تلاوت قرآن پاک سیکھنے کے لئے کوئی صحابی "نورانی یا بغدادی قاعدہ" نہیں پڑھتا تھا۔ نہ ہی آپ ﷺ کے دور میں علم حاصل

کرنے اور عربی سیکھنے کے لئے درسِ نظامی کا آٹھ سالہ نظام موجود تھا۔ یہاں تک کہ آج قرآنِ پاک ہمارے پاس جس جلد شدہ حالت میں موجود ہے، حضور ﷺ کے دور میں یہ اِس حالت میں بھی نہیں تھا، نہ اس میں زیر وزبر اور علاماتِ وقف وغیرہ تھیں اور نہ ہی پورا قرآن پاک تیس پاروں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

دوسری طرف ہم آج دیکھتے ہیں کہ تلاوت قرآن پاک سیکھنے کے لئے "نورانی قاعدہ" وغیرہ بھی پڑھایا جاتا ہے، جہاد کے لئے جدید ہتھیار بھی استعمال ہوتے ہیں، علم حاصل کرنے کے لئے درسِ نظامی کا آٹھ سالہ نظام بھی موجود ہے لیکن کوئی ان کو بدعت نہیں کہتا، کیونکہ "نورانی قاعدہ سیکھنا"، "جدید ہتھیاروں کا استعمال" اور" درسِ نظامی کا نظام" اِن مقاصد (یعنی علم دین، تبلیغ اور جہاد وغیرہ) کو حاصل کرنے کے "ذرائع" ہیں اور ذرائع کا قرآن و حدیث سے ثابت ہونا ضروری نہیں۔ بالکل اسی طرح نفس اور قلب کا تزکیہ اور تصفیہ (پاک اور صاف) کرنا، اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنا، اللہ سے ڈرنا اور تمام ظاہری اور باطنی گناہوں کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کی نیت سے چھوڑنا بھی دین کے بنیادی مقاصد میں سے ہیں اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے صوفیائے کرام کے تجویز کردہ اذکار و مراقبات کی حیثیت بھی "ذرائع" سے زیادہ کچھ نہیں، لہٰذا ان کو بھی بدعت کہنا درست نہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مادری زبان عربی ہونے کی وجہ سے اُنہیں عربی گرائمر (صَرف اور نَحو کے علوم) سیکھنے کی ضرورت نہیں تھی اِسی طرح اُنہیں اِن خاص اذکار و مُراقبات کی بھی ضرورت نہیں تھی کیونکہ انہیں حضور ﷺ کی مبارک صحبت حاصل تھی جس کی برکت سے اُن

کے دِل روشن تھے اور اُن کے نُفوس کی اصلاح ہو چکی تھی۔(نفوس: نفس کی جمع)

دین کے بنیادی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے کن ذرائع کا استعمال جائز ہے؟

یہاں یہ بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ دین کے ضروری مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے جن ذرائع کو اختیار کیا جائے وہ قرآنِ پاک، سنتِ نبوی ﷺ اور اِجماع (اُمت کے متفقہ فیصلوں) کے خلاف نہیں ہونے چاہئیں اور ان ذرائع کو فرض، واجب یا سنت قرار نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ اگر یہ ذرائع قرآن، حدیث اور اِجماع کے کسی واضح حکم کے خلاف ہوں یا ان ذرائع کو فرض، واجب یا سنت کی طرح ضروری قرار دیا جانے لگے تو بلاشبہ یہ ذرائع بدعت کہلائے جائیں گے۔

مثلاً اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کو حاصل کرنے کا "ذریعہ" موسیقی کو قرار دے تو اِس کو اختیار کرنا شریعت کی خلاف ورزی ہے، کیونکہ اسلام میں موسیقی حرام ہے۔ اِسی طرح بزرگوں کے تجویز کردہ ذکر کے مختلف طریقوں کو اگر کوئی شخص قرآن وحدیث میں بیان کردہ حکامات کی طرح فرض یا واجب قرار دے تب یہ بدعت تصور ہونگے۔

یا موجودہ دور میں اگر تبلیغی جماعت کے ساتھ چار مہینے یا سِہ روزہ کی ترتیب کو کوئی شخص فرض، واجب یا سنت قرار دینے لگ جائے تو پھر یہ بھی بدعت ہی شمار ہونگے۔ البتہ ذکر کے مختلف طریقوں، تبلیغی جماعت کی موجودہ ترتیب، مدارس کے درس نظامی کے نظام اور دیگر کو محض "ذرائع" تسلیم کیا جائے اور اُن کو فرض، واجب یا سنت قرار نہ دیا جائے تو پھر اِن کو اختیار کرنے میں کوئی برائی نہیں بلکہ دورِ حاضر میں یہ دین پر چلنے کے لئے انتہائی مفید ذرائع ہیں۔

قرآن و حدیث اور مسنون اذکار کی موجودگی میں نئے اذکار و مُراقبات تجویز کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟

ہمارے دین میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور غور و فکر (مُراقبات) کرنے کی ترغیب دی گئی ہے البتہ کسی خاص طریقہ پر پابندی کا حکم نہیں دیا گیا کہ اس خاص طریقے سے ہی ذکر یا مُراقبہ کیا جائے۔ چنانچہ اگر دین کے بنیادی مقاصِد پر عمل کرانے کے لئے ذکر یا مُراقبہ کا کوئی خاص طریقہ تجویز کیا جائے اور وہ شریعت کے خلاف نہ ہو اور نہ ہی اسے ضروری (فرض، واجب یا سُنت) سمجھا جائے تو ہمارے دین میں اس قسم کے اذکار و مُراقبات کی مکمل اجازت ہے۔

مثال

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ صحابہ کرام کو ان خاص اذکار و مراقبات کی بھی ضرورت نہیں تھی کیونکہ انہیں حضور ﷺ کی مبارک صحبت حاصل تھی جس کی برکت سے اُن کے دِل روشن تھے اور اُن کے نُفوس کی اصلاح ہو چکی تھی۔ لیکن حضور ﷺ کے زمانے سے جتنی دُوری آتی گئی اُتنا ہی دِلوں میں زَنگ اور امراض پیدا ہوتے چلے گئے اور جیسا کہ حکیم یا ڈاکٹر مختلف امراض کے لئے تجربات کر کے نئی نئی دوائیں تجویز کرتے رہتے ہیں اسی طرح یہ روحانی ڈاکٹر (پیرانِ کرام) بھی قلب اور نَفس کے امراض دور کرنے کے لئے ہر شخص کے لئے اُس کے مزاج اور باطنی حالت کے مطابق دوائیں تجویز کرتے رہے ہیں۔

اس بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جس طرح کمزور معدے کے مریض کو پہلے ایسی دوا دی جاتی ہے جس سے اُس کا معدہ قوت بخش غذاؤں کو ہضم کرنے کے قابل ہو سکے، اِسی طرح جب غلط ماحول اور گناہوں کی وجہ سے انسان کا قلب اور نَفس زنگ آلود ہو جاتا ہے تو صوفیائے کرام اس زنگ کو ختم کرنے کے لئے مسنون اعمال کے ساتھ ساتھ دیگر جائز طریقوں سے بھی قلب اور نَفس کی صفائی کراتے ہیں تا کہ وہ قرآن و حدیث کے انوارات و برکات سے مکمل فائدہ اُٹھانے کے قابل ہو سکے۔

راہِ تصوف میں عام ترتیب یہی ہے کہ اذکار و مُراقبات کروانے کے کچھ عرصے بعد فرائض، واجبات، سنتِ مؤکدہ، تلاوتِ قرآن پاک اور نوافل کی ادائیگی میں بھرپور کوشش سے ہی دینی ترقی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا نصیب ہوتی ہے۔

کیا اسلام میں پیری مریدی کی گنجائش ہے؟

کیوں نہیں؟ جس طرح اسلام میں استاد شاگرد کی گنجائش ہے یا جس طرح ڈاکٹر اور مریض کی گنجائش ہے اسی طرح پیر اور مرید کی بھی گنجائش ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ قرآن و حکمت سکھانے والے بھی تھے، تلاوت سکھانے والے بھی تھے اور صحابہ کرام کی تربیت و اصلاح کرانے والے بھی تھے۔ اصلاح و تربیت کے اسی نظام کو جاری رکھنے والے سلسلے کو پیری مُریدی کہا جاتا ہے۔ اپنی اصلاح فرض عین ہے اور پیر کا ہاتھ پکڑنا اس کے لیے ایک ذریعہ ہے۔ اس لیے اس کے جائز، بلکہ مفید اور ضروری ہونے میں کیا اختلاف ہو سکتا ہے؟

مُرید ایک طرح سے روحانی مریض ہوتا ہے اور دوسری حیثیت سے تصوف

کے علوم کا شاگرد ہے۔ دونوں حیثیتیں چونکہ قرآنِ پاک، احادیثِ مبارکہ اور اِجماعِ اُمت سے ثابت ہیں۔ اس لیے مُرید ہونا بھی جائز ہے اور اپنی اصلاح کے لئے پیر کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کرنا بھی جائز، بلکہ آج کل کے حالات میں تو انتہائی ضروری ہے۔

کیا تَصَوُّف کا لفظ قرآن اور حدیث میں موجود ہے؟

یہ سوال بھی عام طور پر پوچھا جاتا ہے کہ کیا تصوف کا لفظ اور اِس علم میں استعمال ہونے والے الفاظ اور اِصطلاحات (Terminologies) قرآن و حدیث میں موجود ہیں؟

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ کسی بھی فَن میں استعمال ہونے والی تمام اِصطلاحات (Terminologies) کا قرآن و حدیث میں موجود ہونا ضروری نہیں۔ تفسیر، حدیث اور فِقہ کے علوم میں استعمال ہونے والی اکثر اِصطلاحات کا قرآن و حدیث میں ذکر نہیں۔ بالکل اسی طرح تصوف کا لفظ اور اِس شعبہ میں استعمال ہونے والے بعض دیگر الفاظ و اصطلاحات قرآن و حدیث میں موجود نہیں اور نہ ہی اُن کا قرآن و حدیث میں موجود ہونا ضروری ہے البتہ تصوف کی حقیقت اور اس کے مقاصد (مثلاً تمام ظاہری و باطنی گناہ چھوڑنا اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا حاصل کرنا وغیرہ) کی تفصیلات قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔

اگر "تصوف" کی پوری ترتیب کو صرف اِس وجہ سے بدعت قرار دیا جائے کہ "پیری مُریدی"، "تصوف"، "طریقت" اور دیگر الفاظ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں نہیں تھے تو اس دلیل کے مطابق تو علم حدیث

بھی بدعت بن جاتا ہے کیونکہ اس میں استعمال ہونے والے الفاظ و اکثر اِصطلاحات بھی حضور ﷺ کے دور میں موجود نہ تھیں، مثلاً رسول اللہ ﷺ کے دورِ مبارک میں "صحیح"، "ضعیف" اور "موضوع" وغیرہ کی اِصطلاحات موجود ہی نہ تھیں اور نہ ہی کوئی شخص "متواتر"، "صحیح"، "حَسَن" و "غریب" وغیرہ کی اصطلاحات سے باخبر تھا۔

لفظ "تصوف" نہیں بلکہ "تزکیہ و احسان" استعمال کریں!

علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو لفظ "تصوف" کے استعمال پر اعتراض ہو تو وہ تصوف کا لفظ بے شک استعمال نہ کرے بلکہ قرآن پاک میں استعمال ہونے والی اصطلاح "تزکیہ" یا حدیث کی اِصطلاح "اِحسان" استعمال کرے، مقصد ایک ہی ہے اور وہ ہے:

"نفس اور قلب کی اصلاح کر کے تمام ظاہری اور باطنی گناہوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا۔"

بَیعَت سے کیا مُراد ہے؟

بَیعَت ایک سُنَّت عمل ہے۔ یہ "عَہد و پیمان" کو کہا جاتا ہے۔ یہ پیر (مُرشد) اور اس کے شاگرد (مُرید) کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے، مُرشد یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنا سکھائے گا، اور مُرید یہ وعدہ کرتا ہے کہ مُرشد جو بتلائے گا اس پر عمل ضرور کرے گا۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہ ○

ترجمہ: ”بے شک جو لوگ آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔“ (سورہ فتح، آیت ۱۰)

اور دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ ○

ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا، اُن مومنوں سے جس وقت وہ بیعت کرتے تھے آپ ﷺ سے اُس درخت کے نیچے“۔ (سورہ فتح، آیت ۱۸)

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ سے مختلف اوقات میں بیعت (عہد و پیمان) لی ہے۔ (تفصیل کے لئے مُلاحِظہ کیجئے: بخاری جلد اوّل)

قرآن و حدیث میں بَیعَت کی پانچ اقسام بیان کی گئی ہیں:

(۱) ایمان پر بیعت (۲) جہاد پر (۳) ہجرت پر

(۴) نیک کام کرنے اور گناہ چھوڑنے پر اور (۵) خِلافت پر

راہِ تصوف میں پیرانِ کرام اپنے مُریدوں کو جو بیعت کراتے ہیں تو وہ مَسنون بیعت کی چوتھی قسم ہے، یعنی مشائخ اپنے مُریدوں سے اس بات کا عہد لیتے ہیں کہ وہ نیک کام کریں گے اور تمام ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں گے اور پھر بیعت کرنے کے بعد اِس معاملے میں مشائخ اپنے مُریدوں کی رہنمائی بھی

کرتے ہیں جس طرح نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کی رہنمائی فرمائی تھی۔
لہٰذا بیعت کرنے کا عمل سنت (مؤکدہ) ہے، البتہ اپنی اِصلاح (تزکیہ نفس) کرنا فرضِ عین ہے، کیونکہ یہ قرآن کا حکم ہے۔

اصل مقصد اصلاح ہے یا بیعت؟

یہاں اِس بات کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ بعض لوگ صرف برکت کے لئے کسی شیخ و مُرشد کے ہاتھ پر بیعت کرلیتے ہیں اور اسی کو کافی سمجھتے ہیں۔ یہ نَفس و شیطان کا ایک بہت بڑا دھوکہ ہے کیونکہ بیعت اور تصوف کا اصل مقصد اپنے نَفس اور قلب کی اصلاح کرکے تمام ظاہری اور باطنی گناہوں کو چھوڑنا اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔ اگر بیعت ہوکر شیخ کو اپنے حالات بیان نہیں کئے اور اُن کی رہنمائی میں اپنی اصلاح نہیں کی تو اصل مقصد حاصل ہی نہیں ہوا۔

کیا اپنی اِصلاح کے لئے قرآن و حدیث کافی نہیں؟ اور کیا پِیر سے تعلق قائم کرنا ضروری ہے؟

نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کا حکم خود قرآن پاک نے دیا

پہلی بات یہ ہے کہ اعلیٰ درجے کا ایمان اور تقویٰ حاصل کرنے کے لئے نیک لوگوں کی صحبت (Company) اختیار کرنے کا حکم خود قرآن پاک نے ہی دیا ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ○

یعنی "اے ایمان والوں تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ"(التوبہ، آیت 119)

چنانچہ جس طرح دُنیا کے کسی بھی فَن کو سیکھنے کے لئے اُستاد کی ضرورت پڑتی ہے اور کسی اُستاد کی شاگردی اختیار کئے بغیر کوئی فَن یا علم نہیں سیکھا جا سکتا، اِسی طرح تزکیہ نفس اور رضائے الٰہی کو حاصل کرنے کے لئے بھی اُستاد (پیر و مُرشد) کی شاگردی اختیار کرنی ضروری ہوتی ہے۔

اپنی اصلاح خود کرنا تقریباً نا ممکن ہے

دوسری بات یہ ہے کہ عام انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنی اصلاح خود نہیں کر سکتا۔ اگر صرف عقل اور فطری صلاحیت، اللہ تعالی کی معرفت اور رضا حاصل کرنے کے لئے کافی ہوتی تو اللہ تعالیٰ انبیائے کرامؑ کو نہ بھیجتے اور نہ ہی آسمانی کتابوں کو نازل فرماتے بلکہ جس طرح جسمانی امراض کے لئے صرف ڈاکٹری کتابیں پڑھ کر کوئی اپنا علاج خود نہیں کر سکتا بلکہ کسی مستند ڈاکٹر کے پاس جانا پڑتا ہے ، اسی طرح روحانی امراض (بیماریوں) کے علاج کے لئے بھی کسی روحانی ڈاکٹر (بُزرگانِ دین) سے ہی رجوع کرنا ہو گا۔ صرف کتابوں سے کوئی شخص کامل نہیں بن سکتا بلکہ کسی کامل کی صحبت کی برکت سے ہی کامل بنا جا سکتا ہے۔

صحابہ کرام کی مثال سب کے سامنے ہے۔ قرآنِ پاک اُن کے سامنے نازل ہوا اور وہ عربی زبان پر بھی مکمل عبور رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ کو قرآنِ پاک میں حکم دیا گیا کہ "آپ ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کا تزکیہ کیجئے"۔

چنانچہ احادیث کی کتابیں ایسے واقعات و ارشادات سے بھری پڑی ہیں جس میں آپ ﷺ نے ہر معاملے پر اُن کی رہنمائی فرما کر اُن کی اصلاح فرمائی۔

نیک لوگوں کی صحبت کے فوائد

قرآن وحدیث میں کامل ایمان اور تقویٰ حاصل کرنے کے لئے نیک لوگوں کی صحبت (Company) اختیار کرنے کی تاکید کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نیک لوگوں کی مجلس میں اللہ تعالیٰ کی محبت، عظمت، خوف اور فکرِ آخرت پیدا ہو جاتی ہے اور ان مبارک کیفیات کے پیدا ہونے کی برکت سے رفتہ رفتہ گناہ چھوٹ جاتے ہیں اور نیک کاموں کی توفیق مل جاتی ہے۔

پیر و مُرشد کو منتخب کرنے کی ضرورت

بُزرگانِ دین کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ظاہری اور باطنی اصلاح کے لئے ابتدا میں کسی ایک شیخ (پیر) کو منتخب کرکے اُس سے رہنمائی لینی چاہیئے تاکہ توجہ اور دھیان تقسیم نہ ہو۔ البتہ کچھ خاص مدت بعد (یا جب شیخ مناسب سمجھے)، دیگر بزرگوں کی صحبت بھی اختیار کر سکتا ہے۔ مسلسل اپنے شیخ کی صحبت اختیار کرنے اور اُن کی ہدایات پر عمل کرنے کی وجہ سے رفتہ رفتہ شیخ کی تمام اچھی صفات مُرید میں منتقل ہونے لگتی ہیں، دِل میں نورانیت پیدا ہو جاتا ہے، نفس کی اصلاح ہو جاتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ مُرید بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔

کیا ہر شخص کو پیر بنایا جاسکتا ہے؟

جی نہیں۔ ہر شخص کو پیر نہیں بنایا جاسکتا بلکہ ایسے شخص کو پیر و مرشد بنانا چاہیئے جس میں مندرجہ ذیل خوبیاں ہوں:

(1) کم از کم اُن عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات کا علم رکھتا ہو جن کا جاننا فرض عین ہے اور جن امور سے متعلق ضروری علم اُس کے پاس نہ ہو تو مستند اور قابل اعتماد علماء سے رہنمائی لینے والا ہو۔

(2) شریعت پر عمل کرنے والا ہو۔

(3) سُنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے والا ہو اور بِدعات سے پرہیز کرنے والا ہو۔

(4) دین کی بلندی اور بقاء کے لئے جدوجہد کرنے والا ہو۔

(5) زاہد ہو، دنیا کی طرف راغب نہ ہو۔

(6) مشائخ کرام (پیرانِ کرام) کا صحبت یافتہ ہو اور بیعت کرانے کے لئے باقاعدہ اجازت یافتہ ہو۔

(7) نیک لوگوں کی نظر میں مقبول ہو، مبغوض (ناپسندیدہ) نہ ہو۔

(8) اُس کی صحبت اور زیارت میں تاثیر (اثر) ہو۔

(9) دینی اُمور میں حق بات کہنے والا ہو اور بے جا رعایت کرنے والا نہ ہو۔

(10) اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت کا صرف زبانی دعوے دار نہ ہو بلکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم و مَعرفت حاصل کرچکا ہو، جس کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اُن کی مجالس میں جانے سے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت، عظمت اور خوف پیدا ہو جائے، آخرت کی طرف توجہ بڑھ جائے، نیکیوں سے محبت اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو

جائے[1]۔

[1] شیخ و مُرشد کی مندرجہ بالا صفات سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم شیخ حضرت مفتی محمد فرید مجددیؒ کے متعلقین کی رہنمائی کے لئے مُرتّب کئے گئے رسالے "سلسلہ مبارکہ" سے (مفہوماً) نقل کئے گئے ہیں۔ حضرت مفتی محمد فریدؒ یکم شوال ۱۳۴۴ ہجری (بمطابق اپریل 1926ء) کو علاقہ زروبی، تحصیل ٹوپی، ضلع صوابی (خیبر پختونخواہ) میں پیدا ہوئے۔ درسِ نظامی کے تمام علوم پڑھنے اور درجۂ تکمیل سے فراغت کے بعد صِحاحِ ستہ (علم حدیث اور موقوف علیہ) پڑھنے کے لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی کی عظیم درسگاہ تشریف لے گئے اور 1952ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے دارالعلوم اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں سات سال، دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ میں تین سال اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (خیبر پختونخواہ) میں تقریباً 32 سال تک درس و تدریس کے فرائض سر انجام دئے۔ دار لعلوم حقانیہ میں آپ نے حدیث کی دیگر کتب کے علاوہ بخاری شریف اور ترمذی شریف بھی پڑھائیں۔ اِس دوران آپ نے بِلا مبالغہ ہزاروں کی تعداد میں فتاویٰ بھی جاری کئے جو "فتاویٰ فریدیہ" کی صورت میں آٹھ جلدوں میں چھپ چکے ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ شعبان ۱۳۶۹ ہجری میں مشہور نقشبندی بزرگ حضرت مولانا عبد المالک صدیقیؒ سے بیعت ہوئے اور یکم صَفَر بروز اتوار ۱۳۷۸ ہجری (بمطابق 17 اگست 1958ء) کو بمقام کمر گئے، گجرات، ضلع مردان میں خلافت سے نوازے گئے۔ 1996ء میں حضرت مفتی صاحب پر فالج کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے آپ درس و تدریس سے معذور ہو گئے۔ درس کی مشغولیت ختم ہونے کے بعد آپ کی مکمل توجہ تصوف کی خدمت پر مرکوز ہوئی اور یوں ہزاروں سالکین طریقت نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے مُریدوں کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ سلسلہ نقشبندیہ کے لئے آپ کی خدمات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے خلفاء کی کُل تعداد تقریباً دو ہزار (2000) ہے۔ تقریباً پندرہ (15) سال بیماری کی حالت میں گزارنے کے بعد آپ بروز ہفتہ 9 جولائی 2011ء (۸ شعبان المعظم ۱۴۳۲ ہجری) کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی نمازِ جنازہ آپ کے آبائی گاؤں زروبی، ضلع صوابی میں ادا کی گئی۔ آپ کو دارالعلوم صدیقیہ زروبی کے قریب ہی سپردِ خاک کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر مبارک پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور قیامت تک آپ کے فیض کو جاری رکھے۔ (آمین)

اہم نکات

اگر کوئی شخص کسی پیر میں مندرجہ بالا صفات دیکھے اور مناسبت محسوس کرے تو اُس سے اپنی اصلاح کے لئے تعلق قائم کرلینا چاہیئے۔ مُرید کو یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ اُس کے شیخ سے کوئی کرامت صادر ہوتی ہے یا نہیں، کَشف ہوتا ہے یا نہیں، ہر دعا قبول ہوتی ہے یا نہیں، اُس کی توجہ سے لوگ تڑپتے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں "پیر" یا "مُرشد" بننے کے لئے ضروری نہیں اور نہ ہی اللہ کے وَلی میں کشف و کرامات وغیرہ کا ہونا ضروری ہے کیونکہ ان میں بعض چیزوں کا تعلق تو مَشق (Practice) سے ہوتا ہے جو بے دین بلکہ غیر مسلموں کو بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حقیقی دوست ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں فرماتے اور نہ ہی وہ اپنے مُریدوں کو ان غیر مقصودی چیزوں کے حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ مشائخ کرام خود بھی شریعت پر چلتے ہیں اور اپنے مُریدوں میں بھی شریعت پر چلنے کا جذبہ پیدا فرماتے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ اگر غلطی سے کسی ایسے پیر سے بیعت کرلی جس کا عقیدہ خراب ہو یا وہ بدعات میں مبتلا ہو یا صریح گناہوں میں مبتلا ہو تو ایسے پیر سے فوراً تعلق ختم کر کے مندرجہ بالا صفات رکھنے والے پیر کو تلاش کر کے اُس سے بیعت کرنی چاہیئے۔

کیا خواتین بھی بیعت کر سکتی ہیں؟

جی ہاں، کیوں نہیں۔ قُرآن مجید میں بیعت کے بارے میں جو آیت ہے وہ خواتین کی بیعت کے متعلق ہے۔ مَردوں کی بیعت تو حدیث پاک سے ثابت ہے۔ خواتین بھی کسی پیر و مُرشد سے اپنی اصلاح کے لئے بیعت کر سکتی ہیں، البتہ

شرعی پابندیوں مثلاً پردے کا خیال رکھنا ضروری ہے کیونکہ پیر خواہ کتنا ہی بزرگ یا بوڑھا کیوں نہ ہو، اگر نامحرم ہے تو خواتین کے لئے اُس سے پردہ کرنا فرض ہے۔ اس کے علاوہ پیر سے خط و کتابت شوہر، والد یا بھائیوں کے ذریعے کرنی چاہیئے اور تنہائی میں ملاقات بھی بالکل نہیں کرنی چاہیئے۔ فون وغیرہ پر روابط سے بھی حتی الامکان پرہیز کرنی چاہیئے۔ اس معاملے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

پیر اپنے مُرید کی اِصلاح کیسے کرتا ہے؟

1: شَیخ کی صُحبت (COMPANY)

مُرید کی اِصلاح کا سب سے بڑا ذریعہ اپنے شَیخ کی صحبت (Company) ہے۔ جتنا زیادہ عرصہ محبت، ادب اور طلب کے ساتھ اپنے پیر کی مجالس میں حاضر ہو گا، اُتنا ہی زیادہ اُس کو فائدہ ہو گا۔

2: ذکر و مُراقبہ

دوسری بات یہ ہے کہ پیرانِ کرام اپنے مُریدوں کو خاص طریقوں سے ذکر کرنے کی تعلیم دیتے ہیں، اور مشائخ کے تجویز کردہ طریقے پر ذکر کرنے اور اُن کی دیگر ہدایات پر عمل کرنے سے اُن کی اصلاح ہوتی ہے۔

3: مُرشد کی تعلیمات پر عمل

تیسری بات یہ ہے کہ مُرید جِن ظاہری اور باطنی گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے، وہ اپنے شیخ کے علم میں لاتا ہے اور شیخ اپنی بصیرت اور روحانی فراست کی روشنی میں

اُس کی رہنمائی کرتا ہے۔ احادیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ صحابہ کرامؓ باقاعدگی سے مختلف روحانی بیماریوں کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔

4: توَجہ کا استعمال

چوتھی بات یہ ہے کہ اکثر مشائخ (پیران کرام) اپنے مُریدوں کی اصلاح کے لئے ایک خاص باطِنی قوت کا استعمال کرتے ہیں جسے تصوف کی اِصطلاح میں "توَجُّہ" کہتے ہیں۔ توَجہ کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم تو یہ ہے کہ پیر و مرشد کی خواہش اور چاہت ہو کہ فلاں شخص کے دل میں اللہ کی محبت، اللہ کا خوف، نیکیوں کی طرف رغبت اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو جائے اور اُس کے لئے دعا کرے۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں مشائخ اپنی قوتِ ارادی (خیال کی قوت) کو استعمال کرکے اپنے مریدوں کے باطن (قلب و نفس) میں کسی اچھی کیفیت (مثلاً ذکر و عبادت کا ذوق و شوق، اللہ تعالیٰ کی محبت، اللہ تعالیٰ کا خوف، گناہوں کی نفرت اور نیکیوں کی محبت وغیرہ) کو ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اورِ اس طریقے سے اُن کی اصلاح کرتے ہیں۔ البتہ توجہ کی اس قسم کا اثر عام طور پر دیرپا نہیں ہوتا۔

احادیثِ نبوی ﷺ میں توجہ کی ان اقسام کا ذکر ملتا ہے چنانچہ پہلی وحی نازل ہوتے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نبی کریم ﷺ کو تین بار زور سے سینے سے لگانے کا ذکر بخاری شریف میں بھی آیا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اِس عمل کا مقصد اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی قوت، توجہ اور ہمت استعمال کرکے آپ ﷺ کے باطن میں اس استعداد کی تکمیل کرانی تھی جو وحی کی فیوض و برکات کو قبول کرنے کے لیے ضروری ہے۔ (اقتباس از التکشف، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

کیا مدارس کے طلباء، اساتذہ، دینی وسیاسی جماعتوں، تبلیغی جماعت، جہادی تحریکوں اور دیگر دینی تنظیموں کے کارکنوں اور رہنماؤں کے لئے بھی بیعت ہونا اور کسی پیر کے ذریعے اپنی اصلاح کرانا ضروری ہے؟

یقیناً جس طرح عام مسلمانوں کے لئے اپنی ظاہری و باطنی اصلاح کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رَضا حاصل کرنے کی طلب اور کوشش ضروری ہے،اسی طرح دینی جماعتوں، تنظیموں اور تحریکوں کے کارکنوں اور رہنماؤں کے لئے بھی ضروری ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام دینی کاموں میں قوت، اثر اور جان پیدا کرنے کے لئے کارکنوں اور رہنماؤں میں کامل ایمان، اخلاص اور تقویٰ کی اعلیٰ صفات کی موجودگی انتہائی ضروری ہے، اور عام مشاہدہ، تجربہ اور تاریخ یہی بتاتی ہے کہ یہ اعلیٰ صفات کسی پیر و مُرشد کی نگرانی میں اپنی اصلاح کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں۔اگر کارکنوں اور رہنماؤں کے نفوس کی اصلاح نہیں ہوئی ہو تو تحریکوں میں شہرت، مفادات اور مالی فوائد حاصل کرنے کی جنگ شروع ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے تحریکیں دَم توڑ دیتی ہیں۔ (نفوس: نفس کی جمع)

اس کے علاوہ دینی تحریکوں میں لگے ہوئے حضرات بعض ظاہری دینی اعمال کی ادائیگی کو کافی سمجھ کر اپنے نفس اور قلب کی اصلاح سے غافل ہو جاتے ہیں، اور وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ دین صرف نماز پڑھنے، داڑھی رکھنے اور تبلیغ یا جہاد کرنے کا نام نہیں بلکہ دین تو عقائد، عبادات، معاملات (کاروبار، ملازمت وغیرہ)، معاشرت (معاشرے کے حقوق) اور اخلاقیات (تصوف/تزکیہ) سمیت تمام شعبوں میں اللہ تعالیٰ

کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنے کا نام ہے۔

دین کا صحیح تصور

نماز، داڑھی، تبلیغ، جہاد وغیرہ یقیناً اہم ترین عبادات ہیں اور ان کو ادا کئے بغیر دین کا تصور ناقص رہتا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مندرجہ بالا اعمال مکمل دین نہیں بلکہ دین کے ایک شعبہ "عبادات" کا حصہ ہیں، اور آخرت میں نجات کے لئے صرف اِن عبادات کی ادائیگی کافی نہیں۔

اس لئے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ "جس طرح عقائد، عبادات، کاروبار، لین دین، ملازمت، تجارت، والدین، رشتہ داروں اور معاشرے کے دیگر افراد کے حقوق کے متعلق ضروری دینی علم حاصل کرنا اور اِن تمام شعبوں میں شریعت کے مطابق عمل کرنا فرض عین ہے بالکل اسی طرح تمام ایمانی صِفات (محبت الٰہی، تقویٰ، عاجزی، اخلاص، زُہد، توکل، تسلیم ورضا وغیرہ) کے بارے میں جاننا، اِن صفات کو حاصل کرنا اور تمام بُری صفات (حسد، بغض، کینہ، تکبر، لالچ وغیرہ) کے بارے میں علم حاصل کرنا اور اُن سے بچنا بھی "فرضِ عین" ہے"۔

ایک ناقابل تردید حقیقت

تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کا کام صرف اُن حضرات سے لیا ہے جنھوں نے کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر اپنے نفس اور قلب کی اصلاح کی اور کامل ایمان، اخلاص اور تقویٰ کی عظیم نعمتیں حاصل کیں۔ اس کے بعد اُنہوں نے دین کے جس شعبے میں بھی کام کیا ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگوں کی اصلاح کا سبب بنے۔ آج کل کی

دینی تحریکات کے بے جان ہونے اور باطل تحریکوں کے پھیلاؤ کی وجوہات میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ اکثر دینی تحریکوں کے قائدین اور کارکنان اپنی اصلاح کئے بغیر ان تحریکوں میں جُڑ جاتے ہیں چنانچہ اکثر دینی کاموں سے خیر کَم اور شَر زیادہ پھیلتا ہے۔

یہ بھی ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ جس دینی کارکن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور عشق ہو گا اور اُسے عمدہ اخلاق اور تقویٰ کی اعلیٰ صفات حاصل ہو نگی وہی دوسروں کے دِلوں میں یہ صفات پیدا کر سکتا ہے جو بے چارا خود ان صفات سے خالی ہو وہ بھلا دوسروں میں کیا تبدیلی لا سکے گا۔

خلاصہ

اس لئے تمام دینی جماعتوں اور تحریکوں میں شامل حضرات کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی کامل پیر و مُرشد کی نگرانی ورہنمائی میں اپنی ظاہری اور باطنی اصلاح کرائیں، مضبوط ایمان، اخلاص اور تقویٰ حاصل کریں اور پھر شیخ ہی کے مشورے اور رہنمائی میں دینی کام کریں، ان شاء اللہ ہزار گنا زیادہ فائدہ ہو گا۔

کیا صوفیائے کرام کی کتابوں میں قرآن و سنت کے خلاف اقوال موجود ہیں؟

یہ بالکل بے بنیاد الزام ہے۔ بڑے بڑے صوفیائے کرام کی کتابیں اُٹھا کر دیکھ لیں وہ صرف قرآن پاک، سنت نبوی ﷺ اور اِجماعِ اُمت پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور ایمان و تقویٰ کے اعلیٰ ترین درجات کو حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ البتہ اگر کسی جگہ پر اُن کی تحریروں یا تقریروں میں بظاہر کوئی بات قرآن و

سنت کے خلاف نظر آئے تو بد گمان ہونے کی بجائے دیگر علمائے کرام اور صوفیائے کرام سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیئے اور چند عبارات کی بنیاد پر تمام بزرگانِ دین پر گمراہی کے فتوے نہیں لگانے چاہیئے۔ البتہ اگر کسی نام نہاد صوفی کی اپنی زندگی شریعت کے خلاف گزری ہو اور اُس کے اقوال و افعال قرآن و سنت کے خلاف نظر آئیں تو صوفیاء اور علماء کو چاہیئے کہ کھل کر اُس کی تردید کریں۔

اس معاملے میں اب تک علمائے کرام کا یہی طریقہ کار چلا آرہا ہے کہ وہ باعمل صوفیائے کرام سے منسوب قابل اعتراض ارشادات اور کشف و کرامات کو فوراً رَد نہیں کرتے بلکہ اگر ممکن ہو تو اُن کی مناسب تاویل کرتے ہیں البتہ کوئی بات واضح طور پر شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہو تو اُن کے احترام اور ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے، اُن سے منسوب قابل اعتراض ارشادات کی کھل کر تردید فرماتے ہیں اور شریعت کے صحیح احکامات لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

تمام علماء، فقہاء اور صوفیائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ دین اسلام پر عمل کرنے کے لئے اصل سرچشمہ قرآن پاک، سنت نبوی اور اُمت کا اِجماع (امت کا متفقہ فیصلہ) ہے، صوفیائے کرام کے کشف و کرامات نہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات صوفیائے کرام کے مضامین بالکل درست ہوتے ہیں لیکن پڑھنے والے کی سمجھ نہیں آتے اور الزام صوفیائے کرام پر لگا لیتے ہیں۔

صوفیائے کرام کی پیچیدہ عبارات اور راہِ اعتدال

ہر علم و فن کے اندازِ بیان اور اِصطلاحات (terminologies) کے مخصوص ماہرین ہوتے ہیں۔ جو شخص کسی علم و فن کا ماہر اور تجربہ کار نہ ہو تو بعض اوقات غیر متعلقہ فَن کی کتابیں پڑھ کر غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ دنیاوی اور دینی علوم دونوں میں یہ اصول کار فرما ہے۔ اِن میں سب سے زیادہ مشکل اور پیچیدہ مضامین اُن کتابوں میں ملتے ہیں جو تصوف اور اُس کے فلسفے پر لکھی گئی ہیں، کیونکہ ان کا تعلق عقائد اور ظاہری اعمال کے بجائے اُن باطنی تجربات اور کیفیات سے ہوتا ہے جو صوفیائے کرام پر بعض اوقات طاری ہوتے ہیں اور بعض اوقات اُن کیفیات کو عام فہم اور مشہور الفاظ کے ذریعہ بیان کرنا دشوار ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علماء اور فقہاء نے کبھی بھی دین کے بنیادی عقائد، مسائل اور عملی احکامات کے لئے تصوف کی کتابوں کو سرچشمہ قرار نہیں دیا بلکہ ہمیشہ قرآن، سنت اور اجماع ہی کی پیروی کو لازم قرار دیا ہے۔ عقائد کے مسائل، عقائد کی کتابوں سے سمجھے جاتے ہیں اور عبادات، معاملات اور معاشرت کے احکامات فِقہ کی کتابوں سے سمجھے جاتے ہیں، خود صوفیائے کرام ان معاملات میں اِنہی علوم کی کتابوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

صوفیائے کرام نے خود بھی اس بات کی وضاحت کی ہوتی ہے کہ جو شخص تصوف کے اِن باطنی کیفیات سے نہ گزرا ہو اُس کے لئے صوفیائے کرام کی کتابوں کا دیکھنا جائز نہیں کیونکہ بعض اوقات ان کتابوں میں ایسی باتیں نظر آتی ہیں کہ جو مفہوم بظاہر سمجھ میں آرہا ہوتا ہے وہ بالکل عقل یا شریعت کے خلاف ہوتا ہے لیکن لکھنے والے کی مُراد

کچھ اور ہوتی ہے، صوفیائے کرام کی اس قسم کی عبارات کو "شَطحِیات" کہا جاتا ہے۔

تمام علماء اور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ دین کے کسی بنیادی عقیدے یا مسائل کے لئے تصوف کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا غلط ہے اور اس کا نتیجہ بعض اوقات گمراہی کی شکل میں بھی نکل سکتا ہے۔اِس اصول کو خود بڑے بڑے صوفیائے کرام نے بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ جو فَنِ تصوف کے اِمام سمجھے جاتے ہیں، بعض صوفیائے کرام کی چند ایسی ہی خلافِ شریعت باتوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یہ باتیں خواہ شیخ کبیر یمنی نے کہی ہوں یا شیخ اکبر شامی نے، ہمیں محمد عربی ﷺ کا کلام چاہیئے نہ کہ محی الدین ابن عربی، صدر الدین قونیوی اور عبد الرزاق کاشی کا کلام۔ ہمیں نَص (یعنی قرآن و سنت) سے غرض ہے نہ کہ فَص سے (یہ ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم کی طرف اشارہ ہے)۔ فتوحات مدنیہ نے ہمیں فتوحات مکیہ (صوفیاء کی ایک کتاب کا نام ہے) سے مستغنی (بے نیاز) کر دیا ہے۔"

(مکتوبات شریف حصہ اول دفتر اول مکتوب نمبر ۱۰۰)

وَحدۃ الوجود کے نظریہ سے کیا مُراد ہے؟ اور کیا صوفیائے کرام وَحدۃ الوجود کا نظریہ رکھتے ہیں؟

"وَحدَت الوجود" چند صوفیائے کرام کو درپیش آنے والے باطنی حالات میں سے ایک حال ہے۔ بعض صوفیوں نے اس کا وہ مفہوم مشہور کر دیا جس کی سرحدیں کفر تک جا ملتی ہیں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ہر دور میں علمائے کرام اور صوفیائے کرام نے تصوف کے شعبے میں پیدا ہونے والی اِس قسم کی گمراہیوں کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں برتی۔

وَحدَت الوجود کا صحیح مفہوم

وَحدَت الوجود کا درست مفہوم نیچے دَرج کیا جارہا ہے؛

وَحدَت الوجود کا لفظی معنیٰ ہے "وجود کا ایک ہونا"۔ اور "ایک" ہونے کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ خالق اور مخلوق ایک ہی ہیں (اور اِن میں کوئی فرق نہیں) یا یہ کہ (نعوذُ باللہ) اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں میں حلول (داخل ہو جانا) فرمایا ہے یا یہ کہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ متّحد (ملی ہوئی) ہیں۔ یہ تمام نظریات تو تمام علماء اور محقق صوفیائے کرام کے مطابق واضح طور پر کفریہ ہیں۔

وَحدَت الوجود کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اگرچہ دوسری مخلوقات موجود ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے سامنے اُن کا وجود اتنا ناقص اور نامکمل ہے گویا کہ دوسری مخلوقات موجود ہیں ہی نہیں، اِسی کو مبالغۃً "وَحدَۃُالوَجود" یا "ہَمہ اوست" کہا گیا ہے۔

شَیخُ الاِسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں؛

"وَحدَت الوجود کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں حقیقی اور مکمل وجود صرف ذاتِ باری تعالیٰ کا ہے، اس کے سوا ہر وجود بے ثبات، فانی اور نامکمل ہے۔ ایک تو اس لئے کہ وہ ایک نہ ایک دن فنا ہو جائے گا، دوسرے اس لئے کہ ہر شئے اپنے وجود میں ذاتِ باری تعالیٰ کی محتاج ہے، لہٰذا جتنی اشیاء ہمیں اس کائنات میں نظر آتی ہیں، اُنہیں اگرچہ وجود حاصل ہے لیکن اللہ کے وجود کے سامنے اُس وجود کی کوئی حقیقت نہیں، اس لئے وہ کالعَدَم ہے (یعنی نہ ہونے کی طرح ہے)۔

اس کی نظیر (مثال) یوں سمجھئے جیسے دن کے وقت آسمان پر سورج کے موجود ہونے کی وجہ سے ستارے نظر نہیں آتے، وہ اگر چہ موجود ہیں، لیکن سورج کا وجود اُن پر اس طرح غالب ہو جاتا ہے کہ اُن کا وجود نظر نہیں آتا۔ اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حقیقت شناس نگاہ دی ہو وہ جب اِس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے وجود کی معرفت حاصل کرتا ہے تو تمام وجود اُسے ہیچ، ماند بلکہ کالعدم نظر آتے ہیں۔

وحدت الوجود کا یہ مطلب صاف، واضح اور درست ہے، اس سے آگے اِس کی جو فلسفیانہ تعبیرات کی گئی ہیں، وہ بڑی خطرناک ہیں اور اگر اُس میں غلو (اعتدال سے تجاوز) ہو جائے تو اِس عقیدے کی سرحدیں کفر تک جا ملتی ہیں۔ اس لئے ایک مسلمان کو بس سیدھا سادا یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ کائنات میں حقیقی اور مکمل وجود اللہ تعالیٰ کا ہے، باقی ہر وجود نامکمل اور فانی ہے۔

(فتاویٰ عثمانی ج 1 صفحہ 66)

اس کو ایک دوسری مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں کوئی درخواست پیش کرے اور بادشاہ اُسے چھوٹے حکام کی طرف رجوع کا مشورہ دے اور یہ شخص جواب میں کہے کہ حضور آپ ہی سب کچھ ہیں، تو اِس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہوتا کہ حکام اور بادشاہ دونوں ایک ہی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ سب حکام آپ کے سامنے نہ ہونے کے برابر ہیں۔

باب دوم

تصوف کا معاشرے کی اِصلاح میں کردار

جدید دَور کے مسلمان کے لئے تَصَوُّف کی راہ پر چلنا ضروری کیوں؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ ماضی کے مقابلہ میں آج کے مسلمانوں کی اکثریت پریشانی، بے سکونی اور بے شمار روحانی امراض کا شکار ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ توحید، رسالت اور آخرت کے بنیادی عقائد پر اُن کا ایمان صرف زبانی حد تک باقی رہ گیا ہے۔ عملی طور پر زندگی کے تقریباً ہر مَوڑ پر شریعت کے احکامات کی مخالفت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جو زیادہ دین دار سمجھے جاتے ہیں اُن میں بھی اکثر صرف چند عبادات کی ادائیگی کو مکمل دین سمجھتے ہیں۔ کاروبار، لین دین، ملازمت، نکاح و طلاق، خوشی غمی اور دیگر معاشرتی امور میں جائز ناجائز اور حلال و حرام کا تصور کافی حد تک کمزور ہو چکا ہے۔ محبتِ الٰہی، خوفِ خُدا، آخرت، توکل، قِناعت، صبر، شکر، اخلاص وغیرہ جیسی صفات تقریباً نا پَید ہو چکی ہیں۔

انٹرنیٹ، ٹیلی وژن اور سوشل میڈیا کے ذریعے پھیلائی گئی بے حیائی اور فحاشی نے تو معاشرے میں بد نظری، بد عملی، غیر عورتوں کے ساتھ روابِط اور موسیقی کی مخلوط مجالس کا ایسا طوفان برپا کر دیا ہے کہ معاشرے میں حیا، پاک دامنی اور غیرت جیسی عظیم ایمانی صفات کا جنازہ اُٹھ گیا ہے۔ خاص کر جدید تعلیم یافتہ اداروں کے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد تو اس بے حیائی کے دَلدَل میں ایسی پھنسی ہوئی ہے کہ

کالجز اور یونیورسٹیوں میں دینی روایات کا حامل ماحول کم ہی نظر آتا ہے۔ مَسنُون چہروں سے مزین باحیاو پاکیزہ کردار کے دین دار نوجوان اِس ماحول میں اجنبی اجنبی سے لگتے ہیں۔

ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

یقیناً کوئی بھی مسلمان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے خوش نہیں رہ سکتا چُنانچہ اس مسئلے کا واحد حل "نیک ماحول" کو اختیار کرنا ہے۔ نیک ماحول اختیار کرنے سے مُراد ایسی مجالس میں حاضری کو یقینی بنانا ہے جہاں محبتِ الٰہی، خوفِ الٰہی ، فکر آخرت، نیک اعمال کی محبت اور گناہوں سے نفرت کے تذکرے ہوں۔

یقیناً بزرگانِ دین کی مجالسِ وَعظ و ذکر میں اپنی اِصلاح کی نیت سے حاضری دینے والے انسان کی زندگی میں مثبت تبدیلی آجاتی ہے اور اُس کی زندگی کا مقصد صرف دُنیاوی عیش و عشرت اور مال و دولت کا حصول نہیں رہتا بلکہ اُس کی نیت ہر کام میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے۔ اگر وہ تجارت، کاروبار اور ملازمت بھی کرتا ہے تو صرف اپنے اہل و عیال کے لئے حلال رزق فراہم کرنے، معاشرے، ملک اور مِلت کے فائدے کی نیت سے کرتا ہے۔ بالکل یہی تصوف کا بھی مقصود ہے۔ گویا اپنی زندگی کو دینی رُخ پر لانے کے لئے راہِ تصوف پر چلنا آج کے مسلمان کی ایک اہم ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ بننے کے دُنیاوی فوائد

اگرچہ مخلص مسلمان کی نظر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی طرف

ہی ہونی چاہیئے اور یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے اور گناہ چھوڑنے پر اُسے دُنیا میں کون کون سی نعمتیں ملتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو دُنیا میں بھی اِنعامات سے نوازتے ہیں۔ چند ایسی نعمتیں، جن کا ذکر قرآن پاک میں کیا گیا ہے، مندرجہ ذیل ہیں؛

(1) رزق بڑھتا ہے (2) ہر طرح کی خیر اور برکت نصیب ہوتی ہے (3) ہر قسم کی دشواری سے نجات مل جاتی ہے (4) پاک اور ستھری زندگی نصیب ہو جاتی ہے (5) قلب میں راحت اور اطمینان پیدا ہو جاتا ہے جس کی لذت کے سامنے دُنیا کی ساری سلطنتیں اور مال و دولت ہیچ ہیں (6) اولاد کو نفع پہنچتا ہے وغیرہ

حیاتِ طیّبہ کا مطلب اور ایک بہت بڑی غلط فہمی کا ازالہ

اللہ تعالیٰ کے بندوں کو مندرجہ بالا نعمتوں کے ساتھ ساتھ "حیاتِ طیّبہ" یعنی پاک اور صاف ستھری زندگی اور "اطمینان قلب" کی دولتیں بھی ملتی ہیں۔ لیکن حیاتِ طیّبہ اور اطمینان قلب کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ دُنیا میں اُس کو زیادہ مال و دولت ملے اور کسی قسم کی مالی اور جانی تکلیف و پریشانی نہ پُہنچے، بلکہ حیاتِ طیّبہ کا مطلب یہ ہے کہ بندے کی جتنی دنیاوی ضروریات ہیں وہ اللہ تعالیٰ پوری فرما دیتے ہیں اور جن نعمتوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ اُسے عطا فرما دیتے ہیں البتہ اگر "امتحان"، "اصلاح" یا "درجات کی بلندی" کی خاطر کسی نیک بندے پر کوئی تکلیف یا پریشانی آ بھی جائے تو اُس پریشانی کی حالت میں بھی اُس کے دل کو ایک خاص قسم کا اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین کی وجہ سے وہ صبر، توکل اور تسلیم و رضا سے کام لیتا ہے۔ یہی

حیاتِ طیبہ کا صحیح مفہوم ہے۔

کیا تصوف افراد یا معاشرے کی اِصلاح میں کوئی کردار ادا کر سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے موجودہ معاشرتی بگاڑ کا واحد حَل معاشرے کے افراد کو "با عمل مسلمان" بنانا ہے اور یہی مقصد تصوف کا بھی ہے، گویا ایک حقیقی صوفی اور کامل مسلمان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

حقیقی صوفی اُس شخص کو کہا جاتا ہے جو صرف نام کا مسلمان نہ ہو بلکہ اُس کے قلب اور نفس کی اصلاح ہو چکی ہو اور اُس کے عقائد ،عبادات ، معاملات ، معاشرت اور اخلاقیات پر شریعت کا اثر غالب ہو۔ ایسے با عمل مسلمان کا اللہ تعالیٰ پر مضبوط ایمان ہوتا ہے، معاشرے کے تمام افراد کے لئے رحمت کا باعث بنتا ہے،ماں باپ،رشتہ داروں،ہمسایوں، دوستوں اور معاشرے کے دیگر تمام افراد کے لئے خیر خواہی اور بھلائی چاہتا ہے، اُن کی راحت اور آرام کا خیال رکھتا ہے۔ اپنے قول اور فعل سے کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ مختصر یہ کہ اُس کی شخصیت ہر لحاظ سے انتہائی "خوشگوار" اور "متوازن(Balanced)" ہوتی ہے۔

با عمل مسلمان کے معاشرے پر اثرات

اصلاح ہو جانے کے بعد ایک با عمل مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت، خوفِ الٰہی، قناعت، صَبر، شکر اور دیگر اچھی صِفات پیدا ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے وہ کسی دوسرے مسلمان کا حق نہیں دباتا ، کسی پر ظلم نہیں کرتا، لالچ نہیں

کرتا،رشوت نہیں لیتا،لین دین، کاروبار، ملازمت اور دیگر معاملات میں دیانت ، امانت، انصاف اور سچائی سے کام لیتا ہے ۔اپنی ڈیوٹی صحیح طریقے سے ادا کرتا ہے اور حرام مال سے اپنے آپ کو بچاتا ہے۔قناعت اور صبر کی زندگی اختیار کرتا ہے۔الغرض اُس کی ایک ایک ادا سے مخلوقِ خدا نفع اُٹھاتی ہے۔

حقیقی تصوف کے پیغام کو پھیلانا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے

چُنانچہ معاشرے میں عدل، انصاف، بھائی چارے،امن و سکون،دیانت اور امانت کو فروغ دینے کے لئے ضروری ہے کہ تصوف کے نام پر ہونے والے کاروبار اور ”نام نہاد بے عمل صوفیائے کرام“ کی تعلیمات کے بجائے ”حقیقی تصوف(تزکیہ نفس)“ کے پیغام کو عام کیا جائے اور عوام وخواص کو باعمل صوفیائے کرام کی اصلاحی مجالس اور مراکز میں جُڑنے کی ترغیب دی جائے،اُن کے سامنے مکمل دین کے صحیح تصور کو عام کیا جائے اوراُنہیں اس بات کی بھی تعلیم دی جائے کہ دین صرف چند ظاہری اعمال پر عمل کرنے کا نام نہیں بلکہ دین کے تمام اجزاء یعنی عقائد ، عبادات،معاملات (لین دین، کاروبار، ملازمت وغیرہ)،معاشرت(Social interaction)اور اخلاقیات(تصوف / تزکیہ) پر عمل ضروری ہے۔اِس سے معاشرے میں بحیثیتِ مجموعی فکرِ آخرت پیدا ہو گی اور عدل وانصاف اور امانت ودیانت کا بول بالا ہو گا۔

خلاصہ

تصوف کی محنت کا آغاز اگرچہ فرد کی اصلاح سے ہوتا ہے لیکن اس کے نتیجے میں پورے معاشرے، تمام اداروں یہاں تک کہ ریاست وحکومت کی بھی اصلاح ہو سکتی ہے۔

باب سوم

صوفیائے کرام کا نفاذِ دین کی جدوجہد اور جہاد میں کردار

کیا واقعی صوفیائے کرام، معاشرے میں دین کو نافذ کرنے کی کوششوں میں کردار ادا نہیں کرتے؟

صوفیائے کرام کے بارے میں یہ ایک تصور عام ہے کہ وہ ایک گوشے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے ہیں اور معاشرے میں اسلامی احکام کے نفاذ کی فکر نہیں کرتے۔ تاریخ، مشاہدے اور تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ الزام مکمل طور پر غلط اور بے بنیاد ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن و سنت کے علم بردار صوفیائے کرام میں دین اسلام کے نفاذ کی جتنی فکر پائی جاتی ہے شائد ہی کسی اور طبقہ میں یہ فکر اِس شدت کے ساتھ پائی جاتی ہو۔ البتہ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی دینی تحریک کی کامیابی کے لئے رہنماؤں اور کارکنوں میں جس درجے کے ایمان، اخلاص ، تقویٰ، تزکیہ نفس اور عشق الٰہی کی ضرورت ہوتی ہے وہ عموماً ذکر و فکر، مجاہدات اور اللہ والوں کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی لٰہذا صوفیائے کرام کا یہی نقطۂِ نظر ہے کہ معاشرے میں شروع کی جانے والی کسی بھی تحریک کی ابتدا "افراد سازی" کے عمل سے ہونی چاہیئے یعنی کچھ خاص تعداد میں ایسے افراد تیار کرنے ضروری ہیں جن میں مندرجہ بالا صفات پائی جائیں تاکہ وہ ہر دینی جدوجہد میں اخلاص کے ساتھ حصہ لیں اور بوقت ضرورت دین کی سربلندی کے لئے ہر قسم

کی قربانی دینے کے لئے تیار رہیں۔

دینی تحریکوں کی ناکامی کی بنیادی وجہ

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اکثر دینی تحریکوں کی ناکامی کی ایک بہت بڑی وجہ قائدین اور کارکنوں میں اخلاص، تقویٰ، تعلق مَعَ اللہ اور تزکیہ نفس کی کمی ہی ہوتی ہے چنانچہ عہدے، شہرت اور مال کے لالچ کی وجہ سے اکثر دینی تحریکوں میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے جو بالآخر تحریک کے خاتمے کا سبب بن جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تاریخی جدوجہد

آج سے تقریباً چار سو سال پہلے ، گیارھویں صدی ہجری میں ،جب اکبر بادشاہ نے دین اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان فرق کو ختم کرنے کی کوشش کی اور دین اسلام کو مِٹانا چاہا تو اُس وقت اس کے سامنے سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم شیخ حضرت مُجَدِّدِ اَلف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کھڑے ہوئے تھے اور اور اپنے یقین و ایمان، عزم و توکل اور روحانیت و اخلاص سے سلطنت کے اندر ایک ایسا اندرونی انقلاب شروع کیا کہ سلطنتِ مغلیہ کا ہر جانشین اپنے سے پہلے گزرے ہوئے بادشاہوں کے مقابلے میں دینی رنگ میں رنگا نظر آنے لگا۔ یہاں تک کہ بالآخر محی الدین اورنگ زیب جیسا دین دار انسان بادشاہ بنا۔

کیا صوفیائے کرام جہاد میں حصہ نہیں لیتے؟

یہ اعتراض کہ صوفیائے کرام جہاد میں حصہ نہیں لیتے یا جہاد کی مخالفت کرتے ہیں بھی مکمل لاعلمی یا ضد کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جہادِ اسلامی کی تاریخ اُٹھا کر دیکھی جائے تو تقریباً ہر جہادی معرکے کی قیادت یا تو صوفیائے کرام نے خود کی ہے یا مجاہدین کو جانی، مالی اور نظریاتی مدد فراہم کی ہے۔

ماضی قریب ہی کی چند تحریکوں کا جائزہ لیا جائے تو تقریباً ہر جہادی تحریک میں آپ کو صوفیائے کرام پہلی صف میں نظر آئیں گے۔

برصغیر میں جہاد اور تصوف کا باہمی تعلق

برصغیر پاک و ہند میں تو تصوف و جہاد کا ایسا عجیب اِمتزاج (Combination) ملتا ہے جس کی نظیر دُور دُور تک ملنی مشکل ہے۔ بارھویں صدی ہجری میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور اُن کے جاںنثار رفقاء نے تو سکھوں کے خلاف جہاد کر کے اور چھ سال تک اپنے زیرِ اثر علاقوں میں اسلامی حکومت قائم کر کے دکھا دیا کہ ایمان، توحید، صحیح تعلق باللہ اور تصوف و سلوک کی تربیت میں کتنی قوت اور کیسی تاثیر ہے۔ اُنہوں نے یہ بھی ثابت کر دیا تھا کہ صحیح روحانیت (تصوف) اور اصلاحِ نفس کے بغیر مضبوط جوش و جذبہ اور ایثار و قربانی اور جذبہ شہادت پیدا نہیں کیا جا سکتا۔

1857 عیسوی میں انگریزوں کے خلاف جنگِ آزادی میں جن علمائے کرام نے قائدانہ کردار ادا کیا تھا اُن میں ہندوستان کے مشہور صوفی بزرگ حضرت حاجی

امداد اللہ مہاجر مکیؒ (جو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دیگر اکابر علمائے دیوبند کے پیر و مُرشد تھے)، حضرت حافظ ضامن شہیدؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) شامل تھے ۔ پھر ایک اور صوفی مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ (جن کو ہندوستان کے مسلمانوں نے "شیخ الہند" کے لقب سے یاد کیا) نے ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرنے کے لئے ترکی سے تعلقات قائم کئے ۔ شیخ الہندؒ کے شاگردوں نے انگریزوں کے خلاف بھر پور جہاد بھی کیا۔ تحریکِ ریشمی رومال، انور پاشا سے ملاقات اور مالٹا کی قید، اُن کی بلند ہمت اور قوتِ عمل کا ثبوت ہے۔

دُنیا کے دیگر ممالک کی مثالیں

الجزائر (مغرب) میں مشہور صوفی بزرگ امیر عبدالقادر نے حملہ آور فرانسیسیوں کے خلاف عَلَم جہاد بلند کیا اور 1832 عیسوی سے 1847 عیسوی تک خود چین سے بیٹھے نہ ہی فرانسیسیوں کو چین سے بیٹھنے دیا۔

1813 عیسوی میں جب (موجودہ) روس، ایران اور ترکی کی سرحدوں پر واقع علاقوں پر روسیوں نے قبضہ کیا تو اُن کا مقابلہ کرنے کے لئے نقشبندی سلسلے کے حضرات نے عَلَم جہاد بلند کیا اور مطالبہ کیا کہ معاملات و مقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق کئے جائیں۔ اِس تحریک کے قائد غازی محمد تھے جِن کو روسی، قاضی مُلّا کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ پہلے امیر غازی محمد جب شہید ہوئے تو اُن کے جانشین "حمزہ بے" مقرر ہوئے۔ اُن کے بعد "شیخ شامل" نے مجاہدین کی قیادت سنبھالی جو امیر عبدالقادر الجزائری کے طریقے پر تھے اور صوفی تھے۔ شیخ شاملؒ نے 25 برس تک روس سے

مقابلہ جاری رکھا اور مختلف معرکوں میں اُن پر زبردست فتح حاصل کی۔ روسی اُن کی شوکت اور شجاعت سے مرعوب تھے اور چند مقامات کو چھوڑ کر سارے ملک سے بے دخل ہو گئے۔

بیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی دو عشروں میں اطالوی افواج کے سوڈان پر قبضے کے خلاف پیرِ طریقت حضرت احمد الشریف السنوسی نے تاریخی جہاد کیا۔ شیخ السنوسی اپنے برادرانِ طریقت اور مریدین کو ہمیشہ شہسواری، نشانہ بازی کی مشق کی تاکید کرتے رہتے۔ اُن میں غیرت اور مستعدی کی روح پھونکتے، اُن کو گھوڑدوڑ اور سپہ سالاری کا شوق دلاتے رہتے اور جہاد کی فضیلت و اہمیت کا نقش اُن کے دل پر قائم کرتے۔ شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال مرحوم نے اُن کی مجاہدانہ قیادت کو اپنے اس شعر میں خراج تحسین پیش کیا ہے؛

کیا خوب امیر فیصل کو سنوسی نے پیغام دیا
تو نام و نسب کا حجازی ہے پَر دل کا حجازی بن نہ سکا

اسی طرح عرب دنیا کی مشہور اسلامی تحریک "اخوان المسلمون" کے بانی شیخ حسن البنا مرحوم سرتاپا عمل اور جدوجہد کا مثالی نمونہ تھے۔ نہ تھکنے والے، نہ مایوس ہونے والے، نہ پست ہونے والے سپاہی اور داعی تھے۔ اُن کی اِن خصوصیات میں اُن کے روحانی نشو نما اور تصوف و سلوک کو بڑا دخل ہے۔ جیسا کہ اُنہوں نے اپنی خودنوشت سوانح میں وضاحت کی ہے وہ "طریقہ حصافیہ شاذلیہ" میں بیعت تھے اور باقاعدہ اس کے اذکار کی مشق فرماتے تھے۔

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سر فروشی و جانبازی، جہاد و قربانی اور تجدید و انقلاب و فتح و تسخیر کے لئے جس روحانی و قلبی قوت، جس وجاہت و شخصیت، جس اخلاص ولِلّٰہیت، جس جذب و کشف اور جس حوصلہ اور ہمت کی ضرورت ہے وہ اکثر اوقات روحانی ترقی، باطن کی صفائی، نفس کے سُدھرنے اور عبادت وریاضت کے بغیر پیدا نہیں ہوتی۔اِس لئے آپ دیکھیں گے کہ جنہوں نے اسلام میں مُجَدِّدانہ یا مُجاہدانہ کارنامے انجام دئے ہیں،اُن میں سے اکثر افراد روحانی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے اور اگر تصوف وسلوک راہِ نبوت کے مطابق ہو اوراللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین اور محبت پیدا ہونے کا باعث ہو(جو اس کے اہم ترین مقاصد و نتائج ہیں) تو اس سے قوتِ عمل، جذبہ جہاد،عالی ہمتی، جفاکشی اور شوقِ شہادت پیدا ہونالازمی ہے۔

("صوفیائے کرام اور جہاد" کے مندرجہ بالا مضمون کا اکثر حصہ حضرت مولانا سیّد ابوالحسن ندویؒ کے مضمون "اہل تصوف اور دینی جدوجہد" سے لیا گیا ہے جو کتاب "تصوف کیا ہے" میں شائع ہو چکا ہے۔)

تصوف کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کے متعلق چند اقتباسات

درج ذیل دو اقتباسات میں کئی ایک غلط فہمیوں کا تسلی بخش جواب ملتا ہے:

اقتباس اول

''جن لوگوں کو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، حافظ ابنِ قیمؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ سے حُسنِ ظن (اچھا گمان) ہے (اور وہ) اُن کو علمائے حق میں سے جانتے ہیں تو وہ فیصلہ کرلیں کہ کیا یہ سب حضرات سنت کی مکمل تابعداری کرنے کے باوجود ایک غلط چیز (یعنی تصوف) کو قبول کرنے پر متفق ہو گئے تھے؟ اور ان سب نے جان بُوجھ کر یا جہالت سے اُمت کو ایک غلط چیز کی تعلیم و تلقین کی؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر خود اپنے متعلق غور کریں کہ کہیں اس بابِ (تصوف) میں آپ سے ہی تو غلطی نہیں ہو رہی ہے؟''

اقتباسِ دوم

''جس طرح بعض مَن گھڑت اسرائیلی تفسیری روایات کی بنیاد پر کسی (مستند) تفسیر قرآن کو، بعض جھوٹی اور مَن گھڑت احادیث کی بنیاد پر تمام احادیث کو اور چند ناقابلِ ترجیح مسائل کی وجہ سے ساری فِقہ کو رَد نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح آج بہت سی خانقاہوں اور مزاروں پر جو بدعات اور شرکیات، تصوف کا نام لے کر کی جا رہی ہیں اُن کی بنیاد پر اصل شرعی تصوف کو رَد کرنا کہاں کا انصاف ہے؟'' [1]

---

[1] اقتباسات از ''تصوف کیا ہے'' ادارہ اسلامیات (مفہوماً نقل کئے گئے ہیں)

تَصَوُّف کی تجدید میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا تاریخی کردار

پچھلی چند صدیوں کی تاریخ کا انصاف پسندانہ جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت مجدد اَلف ثانیؒ کے بعد جس عالم دین نے تصوف کو غیر شرعی رسومات، بدعات اور غلط تصورات سے پاک کیا وہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے، جن کو بَجا طور پر "حکیم الاُمَت" کا خطاب دیا گیا۔ عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات سمیت دین اسلام کے ہر شعبے اللہ تعالیٰ نے اُن سے تجدیدی کام لیا جس کی وَجہ سے اُنہیں تیرھویں صدی ہجری کا "مُجَدِّد (دین کو زندہ کرنے والا)" کہا جاتا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی مشہورِ زمانہ تصانیف میں اُن تمام غیر شرعی اعمال و نظریات کی نشاندہی کی جو تصوف میں بعض جاہل صوفیاء اور عوام کی وجہ سے شامل ہو گئیں تھیں اور عوام الناس کے سامنے قرآن و سُنت کی تعلیمات کے عین مطابق تمام بدعات سے پاک اور خالص "شرعی تصوف" کی ایسی تصویر پیش کی جو آنے والی کئی صدیوں تک اُمت کے علماء اور عوام کی رہنمائی کے لئے کافی ہو گی۔ (ان شاء اللہ)

تَصَوُّف کے موضوع پر چند اہم کُتب

مؤلف نے زیر نظر رسالے کی تیاری کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ تصوف و سلوک کی اہمیت، ضرورت اور عوام الناس کے دل و ماغ میں پائے جانے والے شکوک و شبہات کے اَزالہ کے لئے ان کتابوں کا تفصیلی مطالعہ انتہائی مفید رہے گا۔

(اِن شاء اللہ)

نام کتاب	مصنف
تصوف کیا ہے؟	حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور دیگر علمائے کرام کے مضامین کا مجموعہ
شریعت و طریقت	حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تعلیمات کا جامع خلاصہ
بصائر حکیم الامت	مرتب: ڈاکٹر عبد الحئیؒ (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تعلیمات کا نچوڑ)
اکابر کا سلوک احسان	حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ
سلسلہ مبارکہ	حضرت مفتی محمد فرید مجددیؒ
رسائل و مواعظ	حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اخترؒ
اِصلاحی مجالس	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ، کراچی
اِصلاحِ نفس	حضرت ڈاکٹر فِدا محمد مدظلہ، پشاور
اِیمانی صِفات	حضرت مفتی سَیّد مُختار الدین شاہ صاحب کربوغَہ شریف، ہَنگو، خیبر پختونخواہ
تصوف کا خُلاصہ	حضرت مولانا سیّد شبیر احمد کاکاخیل مدظلہٗ، راولپنڈی
اَلتَّکَشُّف	حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
اَلتَّشَرُّف	حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
مَعارفِ بہلوی	حضرت مولانا محمد عبد اللہ بہلویؒ